دینی، اصلاحی، علمی تصوّف وسلوک کا واحد مجلّہ

ماہنامہ

المُرشد

چکوال۔

بیاد:

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب رح

سرپرست:

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

مدیر مسئول:

حافظ عبدالرزاق

ایم اے (عربی۔ اسلامیات)

جلد ۷ | صفر المظفر ۱۴۰۶ھ بمطابق نومبر ۱۹۸۵ء | شمارہ ۲

ماہنامہ المرشد چکوال

رابطہ کے لئے
دارالعرفان منارہ
چکوال

بنیاد
حضرت العلام مولانا اللہ یار خانصاحب
رحمتہ اللہ علیہ

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزاق صاحب
(ایم اے اسلامیات ایم اے عربی)

مدیران اعزازی
مولانا اللہ بخش زاہد ایم، اے
جناب ابو طلحہ

اس شمارہ میں

اداریہ	مدیر
اسرار التنزیل	مولانا محمد اکرم صاحب
سرحدوں کی حفاظت	ابو سعید
مکتوبات مجدد الف ثانیؒ	ادارہ
دیکھتا چلا گیا	سیلانی کے قلم سے
ایک اشکال اور اس کا ازالہ	پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم اے
تقوی تعمیر سیرت کے لئے لازم ہے	میجر غوث
حمد	محمد عارف خان
نعت	طالب کلیان پوری

سول ایجنٹ : مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

طابع و ناشر حافظ عبد الرزاق مطبوعہ اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس لبنت روڈ لاہور۔ مقام اشاعت الحسنات منزل چکوال

اداریہ

ہائے یہ مجبوریاں!

محرم الحرام کا مقدس مہینہ جسے ملک کے ایک طبقہ کی نفسیاتی اور مذہبی مجبوریوں نے ایک ہنگامہ پرور اور قیامت خیز مہینہ بنا دیا ہے جوں توں کر کے گذر گیا۔ اس مہینہ کی آمد سے پہلے باہمی اتحاد کی اپیلیں ہوتی رہیں۔ کمیٹیاں بنتی رہیں اور یوں سمجھئے کہ اتحاد کے لئے بیانات بھی جاری ہوتے رہے۔ اور اتحاد کی ایکٹنگ بھی ہوتی رہی۔ اور اس اتحاد کا مفہوم یہ متعین کیا گیا کہ ایک طبقہ پوری آزادی سے دوسرے طبقہ کی دل آزاری بھی کرے گالیاں بھی دے اور زعمائے اسلام کو برا بھلا بھی کہتا مگر دوسرا طبقہ بس انہیں صرف دعائیں دیتا رہے مگر احتیاطاً دوسرے طبقہ کے علماء سے عوام تک آنے جانے پر پابندی، بولنے چالنے پر پابندی۔ اٹھنے بیٹھنے پر پابندی لگادی گئی تاکہ فساد پھیلانے والے طبقہ کی آزادی میں خلل نہ آئے۔ کیونکہ یہ ان کی نفسیاتی اور مذہبی مجبوری ہے چنانچہ شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سے لے کر اسلام آباد کے گھیراؤ تک ان کی تاریخ کا یہی کچھ سرمایہ ہے۔ مگر چونکہ یہ لوگ مجبور ہیں اور مجبور معذور ہوتا ہے لہذا ؎

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

اُن کی نفسیاتی مجبوری یہ ہے کہ محرم الحرام کی آمد ہی سے ان کے کانوں میں حضرت حسینؓ کی یہ آواز گونجنے لگتی ہے کہ قد خذلتنا شیعتنا یعنی ہمارے شیعوں نے ہمیں ذلیل کر دیا (خلاصۃ المصائب ص۲۰۱) حضرت زین العابدینؒ کی یہ آواز آتی ہے "یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں۔ مگر ان کے سوا ہمیں قتل کس نے کیا" (احتجاج طبرسی ص ۱۵۸)

حضرت زینبؓ کی آواز آتی ہے۔ "تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو اور خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے" (جلاء العیون ص۵۰۰) حضرت فاطمہ بنت حسینؓ کی آواز آتی ہے: "تم نے ہماری تکذیب کی ہم کو کافر سمجھا اور ہمیں قتل کرنا حلال جانا" (احتجاج ص۱۵۷) حضرت ام کلثومؓ کہتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ "اے زنانِ کوفہ! تمہارے مردوں نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اور ہم اہل بیت کو اسیر کیا پھر تم روتی کیوں ہو" (جلاء العیون ص۵۰۰) پھر حضرت محمد باقرؒ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ "جن لوگوں نے امام حسینؓ کی بیعت کی تھی انہوں نے ان پر تلوار چلائی۔ اور ابھی آنحضرت کی بیعت ان کی گردنوں میں تھی کہ آپ کو شہید کر دیا" (جلاء العیون ص۳۲۶)

اور سب سے آخر شیعہ مجتہد اعظم قاضی نور اللہ شوستری کی آواز۔ اقرار جرم کرتے ہوئے مجالس المؤمنین مجلس ہشتم سے گھومتی ہوئی ان کے کانوں میں گونجنے لگتی ہے لہٰذا یہ بیچارے نفسیاتی اعتبار سے مجبور ہیں۔ ان کی مجبوری کا احساس کرنا چاہیے

ان کی مذہبی مجبوری کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب یہ مسلمانوں کی کسی مسجد کے پاس سے گذرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ بے قابو ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں بے لگام ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام کے کلمہ کو مسخ کرنے کے لئے ہم نے صدیاں صرف کر دیں مگر اب بھی ان عمارتوں سے اسلام کے کلمہ کی آواز گونجتی سنائی دیتی ہے اس لئے۔ ان کے غیظ و غضب میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے، مگر یہ مجبور ہیں اس لئے معذور ہیں۔ ان کی حالت قابلِ رحم ہے۔

اس سارے ہنگامے کا علاج تو ہے مگر وہ ہوتا کیوں نہیں اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ ؏

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

سادہ سی حقیقت ہے، دنیا میں الہامی اور غیر الہامی ہر قسم کے مذاہب پائے جاتے ہیں اور ہر مذہب کی عبادت کی شکل اور طریقہ بھی مقرر ہوتا ہے اور ہر مذہب کی عبادت گاہ بھی ہوتی ہے جیسے ہندوؤں کی عبادت گاہ مندر سکھوں کی عبادت کا گوردوارہ عیسائیوں کی عبادت گاہ گرجا، آغا خانیوں کی عبادت گاہ جماعت خانہ

مسلمانوں کی عبادت گاہ مسجد اور روافض کی عبادت گاہ امام باڑہ۔ یا امام کوٹ یا امام بارگاہ، گو کسی ایک نام پر یہ ابھی تک جم نہیں سکے مگر ان تینوں ناموں سے ظاہر ہے کہ جس مذہب کی یہ عبادت گاہ ہے اس کا تعلق نہ ملکِ عرب سے ہے نہ زبانِ عربی سے۔ نہ رسولِ عربیؐ سے ہے۔ یہ مذہب کہیں اور سے آیا اس لئے اس کی عبادت گاہ کا نام بھی کہیں اور سے آیا۔ اور ظاہر ہے کہ عبادت گاہ بنائی اس لئے جاتی ہے اس میں عبادت کی جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ محرم الحرام میں یہ رونا پیٹنا ہائے وائے اُچھل کود دھرلاّ دھرلاّ اگر عبادت ہے۔ تو تسلیم کر لیا جائے گو عقل سلیم اسے تسلیم نہیں کرتی بلکہ ان کے امام بھی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مگر چلئے ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن بھلے مانسی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی عبادت، اپنی عبادت گاہ میں کرو۔ وہاں جو چاہو کرو، کسی کو کیا اعتراض۔ اور یہ اقدام عقل، شریعت، شرافت اور انسانیت کے اعتبار سے نہایت معقول اور موزوں ہے۔ اگر اربابِ اقتدار واقعی اس باب میں مخلص ہیں کہ یہ مقدس مہینہ امن وسکون سے گذرے تو اس درخواست پر غور فرمالیں۔ چلئے ایک سال تجربہ کر کے ہی دیکھ لیں، اس امر کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ یہ لوگ اس اقدام کو قبول کریں گے۔ کیونکہ اس سے فتنہ وفساد برپا کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا، پھر روکھی سوکھی مذہبیت کو یہ لوگ کیا کریں۔ مگر اس کی ضمانت دی جا سکتی ہے کہ ایسا کرنے سے انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور ملک امن وسکون کا گہوارہ بن جائے گا۔ ؏

مرادِ ما نصیحت بود گفتیم

(مدیر)

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

خطبہ جمعۃ المبارک ۳ محرم الحرام ۱۴۰۶ ھ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

بحمد اللہ نیا سال شروع ہوا۔ اور یہ آنے والا مہینہ عجب کیفیات اور حالات لے کر وارد ہوتا ہے مسلمان کیلئے تو سال کا ہر دن ہر مہینہ ہر ہفتہ اور ہر دن کا ہر لمحہ ایک خصوصی کیفیت رکھتا ہے اسلام کسی دن سے کسی سال سے کسی تاریخ اور کسی مہینہ سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اسلام سے ہر چیز اثر پذیر ہوتی ہے۔ اور اسلام صرف صرف ان باتوں اور ان کاموں کا نام ہے اُن عقیدوں اور اُن تعلیمات کا نام ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی میں تکمیل پذیر ہوئے اور مکمل ہوئے۔ اس کے بعد کا کوئی واقعہ اثر، کوئی حالت دین کو متاثر نہیں کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد۔ (انقطع الوحی)۔ وحی کا آنا منقطع ہوگیا۔ اور آسمانوں سے کسی حکم کے نازل ہونے کا سامان نہیں پیدا فرمایا اور جو نازل ہو چکا اُسے کوئی تبدیل کر نہیں سکتا۔ تاریخ نے ہمیں بے شمار واقعات پیش کئے ہیں۔ اور اب تو پندرہویں صدی بھی اپنے چھٹے سال میں جا رہی ہے سب سے پہلے مسلمانوں کا خون مکہ کی سرزمین پر گرا۔ تب سے لے کر اب تک تاریخ کے اوقات کم ہیں اور مسلمانوں کی شہادت کے واقعات زیادہ ہیں۔ زمین کے چپے چپے کو انہوں نے اپنی پیشانیوں سے منور کیا۔ اور ہر سال کا ہر مہینہ اور ہر مہینے کا ہر دن اس امت کے مجاہدوں، عبادات، نیکی، ورع، تقویٰ اور احسانات کی زندہ یادگار ہیں۔ لیکن یہ سب کیوں ہوتا رہا۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین صرف زبانی ہی نہیں سکھایا بلکہ عملاً ایک معاشرہ تعمیر فرمایا یہ تاریخی واقعات جن میں مسلمانوں کی فتوحات بھی شامل ہیں جو تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کیا یہ کم عجوبہ ہے

کہ مٹھی بھر خانہ بدوش صحرائے عرب سے اٹھ کر قیصر اور کسریٰ جیسی عظیم سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کیا یہ کم کارنامہ ہے کہ چند برسوں میں۔ چین سے لیکر ہسپانیہ تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیغام پہنچ جائے اس دور میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ کہ وہاں تک آدمی جا سکتا ہے یہ سرزمین جہاں ہم بیٹھے ہیں۔ برصغیر میں ایک یتیم بچی نے یہاں سے مسلمانوں کے حاکم کو پکارا تھا اور اس ایک یتیم بچی کی پکار پر آئے مسلمان اپنے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیوض و برکات اپنے ساتھ لائے۔ صدیاں بیت گئیں یہ تک اشھد ان

لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ

سے روشن ہے پھر بھی تاریخ ہمیں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی داستان بھی سنائی ہے۔ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر کرنے والے وہ مظالم ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں پر توڑے گئے۔ تیرہ سالہ مکی زندگی میں وہ کون سا ظلم ہے جو انہوں نے برداشت نہیں کیا۔ اور تب سے لیکر اب تک دنیا کے ہر گوشے اور ہر خطے میں جہاں مسلمان غالب ہوا وہاں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا اور کافر بھی اس کی برکات سے مستفید ہوا۔ فلسطین جب عیسائیوں نے اس پر قبضہ کیا تھا تو کیا کم ظلم کیا تھا اور اسپین جہاں آج نام کا مسلمان بھی نہیں ملتا یہاں صدیوں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اور تاریخ کے ان اوراق کو دیکھا جائے جو وہاں کے مسلمانوں کی مغلوبی اور مسلمانوں کے زوال کے حالات بیان کرتے ہیں تو یوں نظر آتا ہے کہ کتاب کے اوراق سے بھی خون ٹپکتا ہے لیکن یہ سارے واقعات یہ سارے حالات نہ دین میں کوئی اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ دین میں کوئی کمی کر سکتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے یہ ساری تاریخ ہے اسلام کی۔ اس میں مسلمانوں کی جرأت و بہادری بھی ہے مسلمانوں کا عدل و انصاف بھی ہے مسلمانوں کا ورع اور تقویٰ بھی ہے اور مسلمانوں کی قوت برداشت و ایثار اور قربانیاں بھی درج ہیں۔ تو یہ ساری باتیں مسلمان کا مرنا اور اس کا جینا اور اس قتل ہونا یا قتل کرنا۔ اس کا شکست سے دوچار ہونا یا اس کا فاتح ہونا یہ سب کیا ہے صرف اس دین کی بقا کیلئے ہے جو حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا۔ کسی بھی ہستی کی کوئی بھی قربانی دین کو بدلنے کیلئے نہیں ہے دین کو تبدیل کرنے کیلئے جو کوشش کی گئی ہے وہ کسی غیر مسلم کی تو ہو سکتی ہے۔ کافر کی محنت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس کی محنت یا کوششوں سے دین میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے۔ لیکن مومن کی ہر کوشش ہر قربانی اسکا زندہ رہنا۔ اسکا مرنا۔ اسکا مال۔ اسکی جان اس کی ہر حرکت و سکون اس دین کی بقا کیلئے ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیش کیا اور ایک بنیادی عقیدہ جو ہے اسلام کا۔ جو پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا۔ اس کی یاددہانی کرا دوں۔ وہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے جیسے قرآن کریم

نے بھی دہرایا ہے۔ ان کان اباؤکم وابناءکم
واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال الخ
"کہ مال۔ اولاد۔ باپ بیٹے۔ بھائی رشتے بیویاں۔
خاندان یا مال و دولت۔ یہ دنیا میں کوئی شئے بھی یہ نہیں
کہ سرے سے عزیز تر نہ ہو یہ تو فطری بات ہے انسان کو
اپنے اجداد سے۔ رشتہ داروں سے بھی اُلفت ہوتی ہے۔
اپنے مال سے بھی اُلفت ہوتی ہے ہر چیز پیاری ہوتی
ہے یہ ضرور ہے کہ ان سے محبت ہو لیکن یہ شرط لگا
دی ہے کہ اگر یہ چیزیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی نسبت زیادہ محبوب ہو جائیں تو بات بگڑ جائیگی "
اور اسی کی شرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمادی ہے اسکا ترجمہ یوں بنتا ہے " تم میں سے
کوئی بھی لا یومن احدکم یہ بڑے عجیب الفاظ ہیں حدیث
کے۔ اس وقت تک کوئی شخص بھی تم سے ایماندار نہیں
ہو سکتا جب تک میں یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
اُسے احب علیکم من والدہ ولدہ والناس اجمعین۔
جب تک یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والدین
اولاد اور دُنیا کے ہر فرد سے۔ تمام محبتوں سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ ہو جائے کوئی شخص
ایماندار نہیں بن سکتا۔ اب ہماری مصیبت اس دور
کی یہ ہے کہ لوگوں نے مختلف افراد کے ساتھ مختلف
ہستیوں کے ساتھ وہ درجہ محبت کا جوڑ لیا ہے جو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تھا اور وہ رسول اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تب پہچانتے ہیں جب انہیں
اُن کے محبوب کے حوالے سے یاد دہانی کرائی جائے جس
طرح عیسائی خدا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ سمجھ
کر پہچانتے ہیں۔ اس کی محبت ساری تو اس فرضی فرد
کے ساتھ ہے جسے وہ خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور خدا
کی حیثیت بھی وہاں ثانوی ہوگی۔ یعنی ان کا لین دین جو
براہ راست اُس بیٹے سے ہے جو اپنے خیال کے مطابق وہ
سمجھتے ہیں کہ ہم میں نازل ہوا اور ہماری ساری ضروریات
پوری کر رہا ہے اب خدا کو چونکہ اس کا باپ قرار دیتے
ہیں۔ کہ اسلیئے عیسیٰ کے باپ ہونے کی خاطر خدا کو پہچانتے
ہیں۔ اس طرح بدنصیبی سے مسلمانوں نے بھی مختلف
ہستیوں کو اپنا قبلہ حاجات سمجھ لیا اور اپنے مقصد کا مرکز
بنالیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان محبتوں
کے تابع ہوگئی۔ جب آپ کی محبت تابع ہوگئی تو آپ کا لایا
ہوا دین بھی ثانوی حیثیت اختیار کرگیا اور وہ رواج مقدم
ہوگئے جو لوگوں نے اُن ہستیوں کے نام پر شروع کردیئے
اس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے یہ مذہب نہیں سکھایا۔
یہ تعلیم نہیں دی جو عیسائیوں کے پاس ہے اس طرح
مسلمانوں کے کسی بھی پیشوا نے۔ کسی بھی رہنما نے کسی
بھی بزرگ نے کسی بھی عالم یا فاضل انسان نے یا کسی
بھی صدیق یا شہید نے یہ تربیت نہیں دی کہ میری قربانی
سے تم ایک نیا اسلام شروع کردو۔ لیکن لوگوں نے
جذبات کی رو میں آکر کچھ رسوم گھڑی ہیں۔ یہ محض ایک

جذباتی فیصلہ تھا کسی واقع سے انسانی جذبات متاثر ہوئے اور اس دور میں آکر لوگوں نے مختلف چیزیں اپنی عقیدت کے اظہار کیلئے شروع کر دیں جب وہ شروع کیں تو اُن کی عقیدت وہاں اتنی پختہ ہوگئی کہ حضور کا دین اُن رواجات کے نیچے دب گیا۔ مقدم اُن رواجات کو سمجھا جانے لگا اور دین ان کے بالکل پیچھے ختم ہو گیا۔ دب گیا۔ اسی طرح مقدم وہ ہستی ہو گئی اب کسی نے صحابہ کرام میں سے کسی ہستی کو اپنی محبت کا مرکز بنایا اور یہ نہ سوچا کہ ہر صحابی کا مرنا جینا تو حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کیلئے تھا۔ تو اُن میں سے کسی کو جب ہم اپنا محبوب قرار دیتے ہیں تو حق یہ ہے کہ جو اُن کا بھی محبوب ہے ہمیں محبوب تر ہو۔ بات تو یہ ہے نا کہ جس کے حوالے سے صحابہ بنے۔ جن کے نور نبوت نے اُنہیں یہ کمال بخشا اور جن کی غلامی کو انہوں نے اپنا سرمایۂ افتخار جانا۔ جو اُن کا بھی محبوب ہے وہ تو ہمیں محبوب تر ہونا چاہیئے لیکن یہاں غلطی یہ ہوئی کہ ساری محبت وہاں ایک نام کے ساتھ جمع ہوگئی اور پھر جوشِ محبت میں اپنی طرف سے محبت کے اظہار کا کوئی ذریعہ بنایا۔ وہ تمام اپنی طرف سے سوچ لیا گیا کہ میں فلاں شخص کو اپنا محبوب سمجھتا ہوں اس لئے میں ایسا کام کروں گا۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اسے فلاں سے محبت ہے۔ اب اس دور میں لوگ اتنے دوڑے اتنے دوڑے کہ خدا، خدا کا رسول، خدا کی کتاب، خدا کا دین۔ یہ ساری چیزیں وہ پیچھے چھوڑ گئے جو مطلوب تھا وہ سامنے سے اوجھل ہو گیا اور فرضی اور رسمی چیزیں دین کے نام سے دین میں داخل کر دیں۔ اور یہ بدنصیبی کی انتہا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا واقعہ اچھی طرح میرے ذہن میں موجود ہے ہم ایک روز ڈالوال اڈے پر کھڑے تھے ایک بوڑھی سی عورت تھی وہ کسی اپنے عزیز کو رخصت کرنے آئی تھی جیسا کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ کوئی جانے والا ہو تو گھر کے افراد اُسے موٹر پر بٹھانے آتے ہیں۔ تو وہ جب اُسے الوداع کر رہی تھی تو اُس نے خدا سے شروع کیا۔ کہ میرے بیٹے خدا کے حوالے۔ پھر اللہ کے نبیؐ کے حوالے پھر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حوالے پھر پانچ سات مقدس بزرگوں کے نام گن لینے کے بعد وہاں ایک چھوٹا سا مزار ہے ڈھیری پر۔ جیسے ڈھیری والا فقیر کہتے ہیں بالآخر اُسے اطمینان تب ہوا جب اُس نے اُسے اُس ڈھیری والے کے سپرد کیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس نے سارے نام محض رسماً لئے ہیں۔ اعتماد اس کا صرف ایک ڈھیری والے پر ہے یعنی جب آپ اسے اللہ کے سپرد کر دیں تو بات ختم ہو گئی سبھی کچھ تو اللہ کے سپرد ہے پھر اگر تم نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی کے بعد کسی اور کے نام کی گنجائش باقی نہیں تھی۔ لیکن یہ تب ہوتا ہے جب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعلق ہو اور آپ کی

عظمت دل میں موجود ہو۔ محض نام لینے سے کچھ نہیں
یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہمارے مزاج کا اظہار کرتی ہیں۔
میں یہاں اپنی زمین پر بیٹھا تھا۔ باتیں ہو رہی تھیں۔
تو باتوں باتوں میں ہی۔ بات صحابہ کرام پہ چلی تو سیّدنا
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں۔ بڑے
ناصحانہ سے انداز میں بات کی اس نے غالباً رضی اللہ عنہ
بھی کہنے کی تکلیف گوارا نہ کی عام سا نام لے کر ابوبکرؓ
کا تذکرہ کر دیا۔ تو وہ جایا کرتا تھا یہاں اس میاں فضل
مرحوم کے پاس۔ تو جب یہاں بات پہنچی تو کہنے لگا کہ
انہوں نے اپنی مبارک زبان سے یوں فرمایا میں یہ نہیں
کہتا کہ اس نے انکا ادب کیوں کیا لیکن وہ ایک اتنا
ادب واحترام اس ایک مجذوب کیلئے روا رکھتا ہے۔
تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ کتنا ہے۔
وہاں کیوں عام سی بات کرتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا
ہی اسی کو ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام
سے واقف۔ ان کی عظمت سے ناآشنا ہے۔ یہ معمولی
سی بات نہیں ہے یہ انسانی مزاج کی عکاسی ہے ورنہ
مسلمان کیلئے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا نام آجائے تو ساری محبتیں نچھاور ہو جاتی ہیں۔ پھر
صحابہ کیوں پیارے لگتے ہیں اس لئے کہ یہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ اہل بیت سے کیوں
محبت ہوتی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی اہل بیت ہے آپ کی اولاد سے آپکو کیوں محبت
ہوتی ہے کہ اسلئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کی اولاد
ہے۔ نہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دیا جائے
اور راستے سے کسی کو لیکر آدمی چل نکلے۔ کوئی پیر کوئی
عالم۔ شیخ کوئی مولوی۔ کوئی مدرس جو عزت کا مستحق ہے۔
یا پیر اس لئے عزت کا مستحق ہے کہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے اور آپ کی طرف رہنمائی
کرتا ہے جب ایسا نہیں ہے تو کوئی بھی شخص کسی عزت
کا مستحق نہیں ہے۔ مولوی یا عالم اگر عزت کا مستحق
ہے تو صرف اس لئے کہ ہم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی تعلیمات پہنچاتا ہے اگر پہنچاتا نہ ہو تو مولوی کسی
عزت کا مستحق نہیں۔ اگر تو بات یہاں رہے تو پھر انسان
دین پر گامزن ہے اور اگر یہ تاریخی واقعات اپنے اندر
سے روایات اور رسومات پیدا کرنا شروع کر دیں تو
پھر ان رسومات کی کوئی انتہا نہیں کوئی نقطہ ایسا نہیں
جہاں جاکر یہ ختم ہوں۔ آپ کو ایک شہید عزیز ہوگا۔
کسی دوسرے کو کوئی اور شہید عزیز ہوگا۔ تیسرے کو
کوئی اور عزیز ہوگا۔ ہر قبیلے میں۔ ہر کنبے۔ ہر گھر میں شہدا
موجود ہیں۔ اور شہدا اتنے ہیں اسلام میں۔ حضور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہوا مکہ مکرمہ میں۔
جزیرۃ العرب کی حد سے قدم مبارک باہر نہیں رکھا۔
وہیں وصال فرمایا اور اب تک وہیں گنبد خضرا میں
آپ آرام فرمائیں۔ یہ دور الیا بدنصیبی کا ہے کہ اس

ہیں ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم موضوع بحث ہے
چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت
ہمیشہ کیلئے ہے اس لئے آپ کی تمام برکات ہمیشہ
کیلئے اور ساری انسانیت کیلئے ہیں۔ آج بھی وہاں ایسے
ہی انوارات بٹتے ہیں جیسے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اس عالم میں تشریف فرما تھے جلوہ افروز تھے جو
فیضان تھا۔ جو برکات تھیں۔ وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
برزخ میں تشریف لے گئے تو فیوض میں کوئی تغیر
کوئی تبدیلی اور کوئی فرق نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے فیضان و برکات میں۔ نہ آپ کی نبوت و رسالت
میں، نہ آپ کے وجود مبارک میں اور نہ آپ کے روح
اطہر میں۔ اسی طرح روح اطہر کے ساتھ وہ وجود مقدس
برزخ میں بھی ویسے ہی زندہ ہے جیسے کہ دنیا میں تھا۔
اور روضۂ اطہر میں، قبر اطہر کے اندر اسی طرح کی زندگی
موجود ہے جیسی دنیا میں تھی یہ اور بات ہے کہ دنیا
میں احکامات دنیا کے تھے۔ گرمی، سردی سونا جاگنا
یہ اس عالم کا تھا۔ جب وہاں تشریف لے گئے تو ساری
چیزیں اُس عالم کی ہوگئیں۔ سونا۔ جاگنا، کھانا، پینا
اٹھنا بیٹھنا بھی اُس عالم کا ہے لیکن زندگی میں کوئی
تغیر نہیں آیا۔ زندگی ویسی کی ویسی ہے۔ یہ ایک
الگ موضوع ہے۔ تو بہر حال آپ کی برکات کی شہادت
اس بات سے ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جزیرۃ
العرب سے باہر تشریف نہ لائے۔ لیکن ان بھوکے

اور افلاس زدہ پٹھانوں کو کس نے آج گرویدہ کر دیا
ہے کہ آج پندرہویں صدی میں بھی انہوں نے وہ
تاریخ زندہ کر دی جس طرح صحرائے عرب کے بھوکے
بھوک کے پیاسے اور خالی ہاتھ دبلوانوں نے قیصر و کسریٰ
کو ناکوں چنے چبوا دئیے تھے تو کیا آج اس ایٹمی دور
میں کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ اتنی جرأت سے چند سر
پھرے روس جیسی طاقت کو اس طرح ذلیل کریں گے۔
جن کے پاس سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی محبت کے اور کیا ہے کچھ بھی تو نہیں۔ اور آج اگر یہ
لوگ ہتھیار پھینک دیں روس کی اطاعت پر۔ تو وہ
انہیں لاکھوں کروڑوں روپے دینے کو تیار ہے۔ وہ
اُن کیلئے پوری دنیا کے خزانے لٹانے کو تیار ہے۔
بات تو صرف اتنی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے تعلق توڑ لو اور جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ تو وہی
تعلق اُن کو کتنا عزیز ہے۔ کیا آپ کو بیوی، بچوں، مال
اور اولاد سے محبت نہیں ہوتی۔ کیا اُن کی اولادیں
نہیں ہیں جو آپ کے دروازوں پر گدا کرتی ہیں ان
میں بڑے بڑے رئیس تھے۔ بڑے بڑے جاگیردار
بھی ہیں بڑے بڑے امراء بھی ہیں۔ ان کی جاگیریں گئیں۔
جائدادیں گئیں مال گیا۔ اولاد گئی۔ بیوی بچے دربدر
ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ لیکن وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ تعلق توڑنے کیلئے تیار نہیں۔ یہی حال آج
ہے کہ پوری دنیا یہ جہاں جہاں کوئی مسلمان موجود

ہے ہر ظلم برداشت کر رہا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور کے بعد آنے والا مسلمان آج اگر جان و مال و دولت قربان کر سکتا ہے تو صحابی تو بدرجہ اولیٰ کر سکتا ہے ۔ کیونکہ اُسے اپنی آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا ۔ آپکو دیکھا ۔ اپنے کانوں سے آپؐ کے ارشادات سُنے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفید ہوا ۔ وہ نہ کرے گا تو کون کرے گا ۔ اور اگر خانوادۂ نبوت میں سے کسی نے کوئی قربانی دی ۔ تو اسکا حق بنتا تھا ۔ اسکو زیب ہی یہی دیتا تھا ۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یکم محرم کو شہید ہوئے ۔ عمرؓ کا نام لینا آسان نہیں ہے ۔ عمرؓ ایک انقلاب کا نام تھا ۔ عمر ایک فرد نہیں عمر ایک تاریخ ہے ۔ ایک ایسی تاریخ جس کی مثال دُنیا میں کہیں نہیں ملتی ۔ اپنے دس سالہ عہد حکومت میں اس شخص نے حکمرانی کے قوانین مرتب فرمائے ۔ اور اسکے محکموں اور دفاتروں کی تقسیم فرمائی ۔ پندرہ صدیاں گزر گئیں کوئی شخص آج تک ان میں اضافہ نہیں کر سکا ۔ اسی شخص نے سب سے پہلے مردم شماری رائج کی اسی شخص نے سب سے پہلے زمین کی پیمائش کرائی ۔ اسی شخص نے مُلک کو صوبوں ۔ ضلعوں اور صوبوں میں تقسیم کیا ۔ آج تک وہی اُصول جاری ہے ۔ یعنی پوری انسانیت اُن سے بہتر کوئی طریقہ نہیں پیش کر سکی ۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے کوئی عیسائی ہو یا یہودی ہو طرز حکومت اسی کا اپنانے پر مجبور ہے ۔ اسی نے محکموں کو تقسیم کیا یہ فوج ہے یہ پولیس ہے انتظامی امور کے لئے دوسرے لوگ ہیں سرحدوں پر لڑنے کیلئے دوسرے ۔ ایک ایسا شخص جس کی فوجوں نے اس دورِ جہالت میں تاریخ مرتب فرمائی اور ایک عالم کو فتح کیا کہ جس میں بہت بڑے بڑے پینتیس ہزار شہر تھے قلعوں اور دوسری آبادیوں نے شمار کو دیکھیں ۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس پورے بائیس لاکھ مربع میل علاقہ میں سے کسی کافر کی بھی آواز تاریخ کے کسی صفحہ پر اس شخص پر بلند نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ ظلم ہوا یا میری آبرو لٹ گئی یا میرا مال لٹ گیا ۔ یہ سب کچھ اس نے کیوں کیا ۔ یہ سارا کمال کہاں سے لیا ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ۔ عمرؓ کو فاروق محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنایا ۔ ابوبکرؓ کو صدیق محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنایا ۔ عثمانؓ کو غنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنایا ۔ اور علیؓ کو مرتضےٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوتے عرب کے ریگ ذروں میں یہ لوگ بھی اسی طرح پنہاں ہو جاتے جس طرح ان کے آبا و اجداد ہو گئے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو جزیرۃ العرب میں یہ عظیم قوم پیدا نہ ہوتی ۔ نہ کوئی حسن بنتا اور

نہ کوئی حسین بنتا۔ سب کو۔ ہر ایک کو جو کچھ ملا صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ذات سے۔ اور ان سب کی یہ قربانیاں اور ان سب کے یہ تاریخی کارنامے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو گہرا کرنے کیلئے تو ہیں۔ مٹانے کیلئے نہیں۔ کیا یہ جائز ہے۔ کہ یکم محرم کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کا نام دے کر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو پامال کرتے ہوئے ایک طریقہ ان کی یاد کا ایجاد کر لیں۔ اور اس کو اس حد تک بڑھائیں۔ کہ عقائد میں عبادت میں، معاملات میں خود مختار ایک نیا طریقہ وضع کر لیں کیا یہ درست ہے۔ اسی مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنی رضؓ شہید ہوئے۔ آپ اندازہ کریں حضرت فاروق اعظم رضؓ کی شہادت میں عجیب بات ہے ایک ایسا شخص جس کی ہیبت سے بڑے بڑے سلاطین لرزہ براندام تھے۔ اپنے دارالخلافہ میں اپنی مسجد میں اپنی سرزمین پر شہید کر دیا جاتا ہے بہت بڑا واقعہ ہے۔ لیکن بہرحال ایک شخص نے اچانک حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شہادت اس سے بھی عجیب تر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وہ ہستی ہیں جنہیں یکے بعد دیگرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں نکاح میں ملیں۔ اسی لئے ذوالنورین کہتے ہیں۔ دو نوروں کا مالک۔ ایک ایسی ہستی

کہ جو حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانثاری کی بیعت لی۔ آپ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت پر گئے ہوئے تھے۔ تو سب نے جب بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک اپنے ہی ہاتھ میں رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان غنی رضؓ کا ہاتھ ہے میں اس کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ ایک ایسا شخص جس سے فرشتے حیاء کرتے تھے۔ اور ایک ایسی ہستی جو ہمیشہ ہر مشکل وقت میں مسلمانوں کے کام آیا اور جس کی دولت بارش کی طرح مسلمانوں پر برسی اور نچھاور ہوئی۔ جیش العسرۃ کی تیاری کرانے والا۔ مسلمانوں کو پانی تک کے کنوئیں خرید کر دینے والا۔ پینتالیس دن تک اسی مدینہ منورہ میں پیاسا بیٹھا رہا۔ چند سو افراد کے ہاتھوں۔ حالانکہ لاکھوں تک اس کی اپنی سپاہ تھی۔ لیکن کیسا عجیب شخص تھا۔ کہ کہتا تھا کہ مدینہ منورہ ہے حرم رسول ہے میں اس میں شور نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ اور طاقت، قوت اور فوج رکھتے ہوئے۔ اس خیال سے اپنی فوج کو مدینہ منورہ میں استعمال نہ فرمایا۔ کہ کہیں دین کے ٹکڑے بکھرے نہ ہو جائیں۔ جب مسلمانوں کے حصے بخرے ہو گئے تو دین پیغمبر بھی بٹ جائے گا۔ دین پر حرف آئے گا۔ خود کو نچھاور کر دیا۔ سارا خاندان قربان کر دیا طاقت فوج اور سپاہ رکھتے ہوئے لیکن اس اندیشے کے پیش نظر کہیں مسلمانوں کو آپس میں لڑا

دول تو جب دو طبقے بنیں گے تو دو مذہب بن جائیں گے۔ تو گویا تمام فضیلت کے باوجود حضرت عثمان غنیؓ کو زیب ہی یہی دیتا تھا کہ عثمان غنیؓ کٹ جائے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین نہ کٹے۔ حق بھی یہی تھا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسا انسان ایک بدبخت کے ہاتھوں شہید ہوا۔ تو کیا یہ ساری شہادتیں یہ سبق دیا کرتی ہیں کہ کوئی عمرؓ کی شہادت سے مذہب بنالے۔ عثمان غنیؓ کی شہادت سے ایک نیا طریقہ بنالے۔ اور کوئی شخص علی مرتضیٰؓ کی شہادت سے ایک علیحدہ اظہارِ عقیدت کا طریقہ بنالے۔ تو دین کہاں رہے گا۔ یا کیا یہ شہادتیں یہ حق رکھتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بدل دیا جائے۔ اسی طرح سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت بھی ہے جو انتہائی ظالمانہ انداز میں نہایت بے دردی سے ایک لق و دق بیابان میں شہید کروائے گئے۔ یہ بہت بڑا سانحہ ہے لیکن کیوں؟ اس کیوں کا جواب آپ ساری تاریخ کنگھال لیں صرف اتنا سا ملتا ہے کہ یہ وہ کہتے تھے کہ یزید عملاً اُن اوصاف کا مالک نہیں ہے جن اوصاف کا مالک مسلمانوں کا امیر ہوتا ہے۔ تو کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ کہ کوئی نیا مذہب کھڑا کیا جائے۔ کوئی نیا کلمہ ایجاد کیا جائے یا کوئی نیا وضو کا طریقہ بنایا جائے یا عبادات میں کوئی تبدیلی لائی جائے۔ یا عقائد میں کوئی تبدیلی لائی جائے۔ کیا ایسا کوئی جھگڑا تھا۔ وہی اسلام وہی پرانا مذہب۔ وہی کلمہ، وہی احکام، وہی مسائل جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اُن پران کے خیال کے مطابق (سیدنا حضرت حسینؓ کے خیال کے مطابق) ان قوانین پر یزید پورا نہیں اترتا تھا۔ اس اسلام پر جو اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ابوبکر صدیقؓ نے جس پر جان دی۔ جس پر فاروق اعظمؓ نے جان دی۔ جس پر عثمان غنیؓ نے جان دی۔ جس پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے جان دی۔ جس پر صحابہؓ کا ایک عظیم دور گزر چکا تھا۔ وہی اسلام، وہی احکام اور وہی تقاضے جو حضرت حسینؓ کے بھی تھے اور ان کے خیال مبارک کے مطابق یزید کو حق نہیں تھا کہ وہ اس اعلیٰ منصب پر بیٹھے کہ جس منصب پر ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و حیدرؓ جیسی ہستیاں آئیں۔ خود یہی حضرت حسینؓ اور ان کے اٹھارہ بھائی زندہ تھے۔ چونتیس اولادیں تھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی۔ اٹھارہ بیٹے اور سولہ بیٹیاں۔ اگر حضرت علیؓ کے ناطے عزیز ہو تو پھر چونتیس ہی عزیز ہونے چاہئیں۔ لیکن حیرت ہے کہ صرف اس ایک مقدس نام کو اچھال کر ہم جذبات کی رو میں اتنی دور چلے گئے۔ اتنے دور چلے گئے کہ ہمارا ناطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے اور آپ کے لائے ہوئے کلمہ تک سے ٹوٹ رہا ہے یہ کتنی عجیب بات ہے۔ کیا حضرت حسینؓ نے اسی

لئے قربانی دی تھی۔ کہ یزید جو کسی نئے کام کا مدعی
نہیں تھا۔ کسی نئے عقیدے کا مدعی نہیں تھا۔ اس
پر آپ کو صرف یہ اعتراض تھا کہ اسکے عقائد تو وہی
ہیں لیکن عمل ویسا نہیں ہے۔ تو آپ کی قربانی کو ہم آڑ بنا
کر۔ عمل تو لیا۔ پہلے سے بھی گیا۔ عمل کی تو بات ہی نہ
کرو عقائد کو بھی بدل دیں اور اس واقعہ کو آڑ بنا لیں۔
تو کیا یہ حق ہوگا تو کیا یہ انصاف ہے۔ کیا مسلمانوں
کو یہی زیب دیتا ہے اور یہی اسلام ہے اور یہی تعلق
ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ میرے خیال
میں تو خود یہ محرم حیران ہوتا ہوگا کہ میرے ساتھ یہ لوگ
کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اور میدان حشر میں یہ مہینہ اور یہ
دن یہ لمحے۔ زمین کے ٹیلے، یہ ہوا، یہ پہاڑ۔ یہ درخت
یہ پتے ہر ایک شئے اپنی اپنی جگہ گواہ ہوگی۔ میرے
اور آپ کیلئے یہ بے جان ہیں۔ اللہ کی مخلوق ہیں
ہم بھی اللہ کی مخلوق ہیں یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس
کے ساتھ سارے باتیں کرتے ہیں۔

؎ خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ با حق زندہ اند

میرے اور آپ کے لئے پتھر ہیں لیکن اللہ کے
نزدیک وہ بھی ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے ہم۔ اسی
مخلوق میں یہ لمحے یہ گھڑیاں اور یہ دن بھی ہونگے۔ تو
یہ کیا کہیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے حوالے
سے کیا کیا مظالم ہیں جو روا نہیں رکھے۔ ایک مصیبت
اور یہ ہے۔ کہ لوگ طبقہ اور گروہ در گروہ بٹ گئے
ہیں۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا گروہ۔ میری پارٹی
یا میرے ساتھی غالب رہیں۔ اور دوسرے مغلوب
ہوں مسلمان کی ساری طاقت صرف اور صرف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کیلئے ہے۔ کسی
گروہ کسی فرقے، کسی جماعت کسی پارٹی، کسی مدرسے
یا کسی school of thought کی کامیابی کے
لئے نہیں ہے۔ مسلمان تو وہ ہے جسکا تعلق محمد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قائم ہے اور وہ شخص
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقائد کو بھی لے اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال کو بھی لے۔ اور جو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر زندہ رہنا چاہتا
ہو۔ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر مرنا چاہتا
ہے وہ مسلمان ہے اس کے علاوہ سارے لوگ
اپنے اپنے گروہوں کے غلام ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ ان کا تعلق نہیں ہے جس کی بات مانی جائے۔
جس کی پیروی کی جائے تعلق تو اُس کے ساتھ ہوتا
ہے۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی چھوڑ دی
اور کسی خاص گروہ کی غلامی اختیار کر لی کسی ایک طبقے
کی غلامی۔ میرے ہی ساتھ جو لوگ چل رہے ہیں
اگر میں انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادات کو چھوڑ کر اپنی کوئی بات ماننے پر مجبور
کرتا ہوں تو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو چھوڑ

کہ میری بات ملنے گا وہ مسلمان نہیں ہے اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ وہ میری بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ماننا مسلمانی ہے کہ اس نے جو بات کہی ہے اس کی اپنی ہے یا بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ ہم تک یہ پہنچ رہا ہے یہ مسلمانی ہے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ درمیان سے ہٹ جائے۔ تو مسلمان نہ رہا۔ تو میرے بھائی دین وہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا اس کے بعد تاریخ شروع ہوتی ہے اور تاریخ مذہب سے الگ ہے تاریخ حالات بیان کر سکتی واقعات بیان کر سکتی ہے کہ کون فاتح ہے کون مفتوح ہے کہیں مسلمانوں پر ظلم ہوا کہیں مسلمانوں نے عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑے۔ اور اللہ کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں شہید ہونا تو ہر مسلمان کے دل کی آرزو رہی ہے۔ اور رہے گی۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کو ساری عمر یہ خیال پیدا نہ ہو۔ کہ اے کاش میں بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ ایسے لوگوں جیسا کہ میری لعنت سے پہلے تھے۔ تو میرے بھائی آج کا وقت تو تمہید کی نظر ہوا۔ بہرحال یہ تمہید بھی اپنی جگہ ایک مضمون بن گئی ہے اور یہ بھی انتہائی ضروری تھی

صرف اس لئے نہیں کہ میں آپ کو سنی، شیعہ کے جھگڑے میں ڈالوں، اس لئے نہیں کہ میں آپ کو دیوبندی بریلوی کے گھمسان میں پھنساؤں۔ یہ اس لئے کہ میں آپ کو دعوتِ فکر دوں کہ اپنا تعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا مضبوط کریں کہ دوسرا جو کوئی بھی پیارا لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پیارا لگے نہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسرے واسطہ سے پہچاننا شروع کر دے بلکہ دنیا میں جو شخص بھی۔ جو شئے بھی۔ جو قانون بھی۔ جو عقیدہ بھی آپ کو پیارا لگے وہ اس لئے لگے کہ یہ عقیدہ، یہ قول، یہ عمل اور یہ فرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے یہ عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے۔ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا ہے یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہے۔ یعنی جو شئی بھی پیاری لگے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے لگے۔ محبت کا محور و مرکز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو۔ جب آپ اس مقام پر پہنچیں گے۔ تو پتہ چل جائے گا کہ یہ گروہ بندی فرقہ بندی نہایت نیچے نیچے ہے۔ آپ میں سے اکثر احباب نے تجربہ کیا ہوگا۔ آپ جہاز میں ہوتے ہیں اور دور انتہائی نیچے بارش ہو رہی ہوتی ہے۔ طوفان چل رہے ہوتے ہیں جھکڑ ہوتے ہیں۔ موسلا دھار بارش ہو رہی ہوتی ہے

لیکن جہاں جہاز چل رہا ہوتا ہے وہاں دھوپ نکلی ہوتی ہے۔ نیچے سمجھ آتی ہے کہ کہیں نیچے بارش ہو رہی ہے۔ تو جب انسان کا تعلق آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار ہو جائے۔ انتہائی دور نیچے نظر آتا ہے کہ کوئی فرقہ بندی ہے گروہ بندی ہے۔ مختلف لوگ الجھ گئے وہاں کیا ہے جس طرح وہاں جہاز والے کے سامنے سورج ہو گا اسی طرح ان کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رُخ انور ہوتا ہے وہاں نہ کوئی جھگڑا ہوتا ہے نہ کوئی فساد۔ مرکز محبت جب ایک ہو۔ پھر جھگڑا تو ختم ہے۔ جھگڑے کی بات ہی نہ رہی۔ اُلجھن کی تو کوئی بات ہی نہ رہی۔ الجھن تو تب پیدا ہوتی ہے جب آپ کہیں کہ میری بات مانی جائے۔ اور میں کیوں نہیں میری مانی جائے۔ جب میں اور آپ جب دونوں متفق ہو جائیں تو بات صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانی جائیگی تو جھگڑا کیا ہے۔ تو یہ سب جھگڑے بہت نیچے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو بہت اوپر نکال لے جائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب۔ عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی۔ آپ دیکھیں گے کہ فضا کتنی صاف ہے اور جہاں کتنا پُرسکون ہے خداوند عالم سب مسلمانوں کو نصیب فرمائے۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	۴/۰
سالانہ چندہ	:	۴۵/۰
مشرقِ وسطیٰ	:	۱۲۰/۰
یورپ	:	۱۴۰/۰
امریکہ کینیڈا	:	۱۶۰/۰
لیبیا	:	۱۵۰/۰

سرحدوں کی حفاظت

ابو سعید

ہر فرد، ہر معاشرہ ہر تحریک اور ہر حکومت اپنے تحفظ، بقا اور ترقی کیلئے اہمیت کے اعتبار کرنے کے کاموں میں ایک ترتیب اپنے سامنے رکھتی ہے۔ جہاں تک حکومت سلطنت ملک کا تعلق ہے اس ترتیب میں سرفہرست، سرحدوں کی حفاظت کا کام ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ اگر سرحدیں محفوظ نہ ہوں یا سرحدوں پر گڑبڑ ہو تو ملک کے اندر بھی پوری یکسوئی سے کوئی بھی تعمیری کام نہیں ہوسکتا۔ اس کام کی اہمیت کے پیش نظر ہر حکومت اپنے وسائل کو محفوظ رہنے ہونے فوج رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ خواہ برسوں چھوڑ صدیوں تک کسی ملک کی فوج کو لڑنے کا موقع نہ ملا ہو مگر فوج کا موجود رہنا ملک کیلئے ضروری ہوتا ہے کیونکہ فوج ہی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے۔

ہر ملک کی طرح اپنے ملک میں بھی اسی غرض کیلئے فوج موجود ہے۔ اور اس کے دو حصے ہوتے ہیں ایک افسر دوسرے جوان۔ اور ان دونوں حصوں میں بھرتی کرتے وقت خاص امور کا خیال رکھا جاتا ہے یہ اور بات ہے دونوں جگہ معیار مختلف ہوتا ہے مثلاً جوانوں کو بھرتی کرتے وقت صرف یہ دیکھ لیا جاتا ہے کہ قد کتنا ہے چھاتی کتنی ہے صحت کیسی ہے اور اگر کوئی فنی کام ہو تو تعلیم کتنی ہے۔ ان میں مقررہ معیاروں پر پورا اترے اس کو بھرتی کرلیا جاتا ہے۔

افسروں کی بھرتی میں کئی اور باتوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کیونکہ ان افسروں نے ہی ترقی کر کے جرنیل بننا ہوتا ہے اور فوج کو عموماً جنگ میں حصہ لینے کے طور طریقے آداب اور ٹیکٹکس کے واقف یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے افسر بھرتی کرنے کے کئی مرحلے ہوتے ہیں مثلاً

۱: سب سے پہلے تحریری ٹسٹ ہوتا ہے۔ جو لوگ اس ٹسٹ میں پاس ہو جائیں ان کو ISSB میں جانا پڑتا ہے اور وہاں مختلف ٹسٹ ہوتے ہیں مثلاً۔

۱ ۔ انٹیلیجنس ٹسٹ : یعنی ذہنی آزمائش کہ یہ کتنا ذہین ہے ۔
۲ : پرسنیلٹی ٹسٹ ۔ اس کی شخصیت کا امتحان ۔
۳ : گروپ ٹسٹنگ : یعنی کسی جماعت میں ایک فرد کی حیثیت سے وہ کس رویے کا اظہار کرتا ہے
۴ : ملٹری پلاننگ : یعنی جنگی منصوبہ بندی کی اہلیت کی آزمائش ۔
۵ : ایموشنل ٹسٹ : یعنی جذبات پر قابو پا سکتا ہے یا جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے ۔
۶ : ٹیم ورک ۔ : اجتماعی کام میں اجتماعی مقصد کو سامنے رکھتا ہے یا اپنی ذات کو ۔
۷ : انٹرویو ، سوال و جواب ہوتے ہیں جن میں ان ساری باتوں کے علاوہ حاضر دماغی آزمائش ہوتی ہے ۔

جو افسر ان سارے امتحانات میں کامیاب ہو جائے اس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں فوجی تربیت حاصل کرنے کی اہلیت موجود ہے ۔

دوسرا مرحلہ : اب اس میں ہونے والے افسر کو PMA میں چار سال تک زیر تربیت رکھا جاتا ہے اس عرصے میں عملی تربیت کے علاوہ ذہنی طور پر یہ باور کرایا جاتا ہے کہ :۔

(ا) تیری ہر خواہش اس ادارے کے تحت ہوگی ۔
(ب) تیری پسند و ناپسند کا معیار اس ادارے کی پسند و ناپسند کے تحت ہوگا ۔
(ج) تیرے اوقات تیرے نہیں ہونگے ۔
(د) نہ تو اپنی مرضی سے سو سکتا ہے نہ اپنی مرضی سے جاگ سکتا ہے ۔
(ر) تیرے کھانے پینے کا معیار اور مذاق بھی اس ادارے کے تحت ہوگا ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ تیری ساری دنیا اس نقطے کے گرد گھومے کہ سپاہی کا کام حکم ماننا ہے کیوں اور کیسے کے الفاظ تیری لغت میں دکھائی نہ دیں ۔

تیسرا مرحلہ :۔ جب یہ افسر عملی اور علمی طور پر فن سپہ گری کا مظاہرہ کر چکتا ہے تو اسے سٹاف کالج میں بھیجا جاتا ہے جہاں اسے ایک سال تک تربیت حاصل کرنا ہوتی ہے ۔ اس تربیت کے بعد جو کامیاب ہو جائے اس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس میں جرنیل بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے

چوتھا مرحلہ: سٹاف کالج سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنی فنی صلاحیتوں کا ظاہر کرتا ہے پھر اس کو "وار کورس" کیلئے ملٹری کالج میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ اس قدر آزمائشوں، تیاریوں، محنتوں اور مشقتوں کے بعد کوئی افسر جرنیل بنتا ہے۔ اور جو جرنیل بنتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ سب عملی طور پر بھی اعلیٰ درجے کے جرنیل ثابت ہوں۔

سوال یہ ہے کہ اتنی چھان بین اور اتنی آزمائشوں میں کامیاب ہونے کے بعد بھی یہ کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جرنیل واقعی مثالی جرنیل ہو۔ اس کی وجہ دنیا کی دوسری فوجوں کے پیش نظر تو خواہ کوئی طبعی ہو یا نفسیاتی ہو یا ذہنی ہو مگر مسلمان فوج کے کسی جرنیل میں یہ کمی نظر آئے تو اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ وجہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ یعنی ان تمام آزمائشوں اور ٹسٹوں کے باوجود جنگی حقیقت یہ ہے کہ کوئی امیدوار اگر اپنی شخصیت کو چھپانا بھی چاہے یا اپنی شخصیت کے متعلق کوئی غلط تاثر بھی دینا چاہے تو ممتحن ایسے ماہر نفسیات ہوتے ہیں کہ فوراً تاڑ جاتے ہیں کہ یہاں یہ دھوکا کر گیا ہے۔ لیکن خدا جانے اس بات کا ٹسٹ ہوتا ہے یا کہ ہی نہیں کہ اسلام کی حقانیت پر اس کا ایمان بھی ہے۔ یا نہیں یہی وجہ ہے۔ ایسے لوگ بھی جرنیل بن جاتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جہاد حرام ہے ظاہر ہے کہ جب جہاد حرام ہے تو وہ جرنیل لڑائے گا کیوں اور لڑے گا کیسے ہماری بدنصیبی کا یہ پہلو بڑا افسوسناک بھی ہے اور دردناک بھی۔

اسلام ایک دین ہے دین کامل ہے دین فطرت ہے۔ ایک طرز زندگی ہے اس کے اصول وقواعد ہیں۔ اس کے نظریات اور عقائد ہیں اس کی ایمانیات اور اعمال کے لگے بندھے اصول ہیں اسکے جائز و ناجائز حلال و حرام کی حدود متعین ہیں ان تمام چیزوں کو عملی شکل دینے اور عملی زندگی میں لاگو کرنے کا ڈھنگ سکھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے دین کی ان حدود اور ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے ایک جماعت تیار کی اس جماعت میں بھرتی ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ٹسٹ بتائے۔ بھرتی ہونے والوں کو ان آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ٹسٹ میں انکے کامیاب ہونے کی سند عطا کی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کا علان کرایا۔ ان کے امتحان بڑے کڑے امتحان تھے۔ اور امتحان لینے والا جب اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہر ہے

کر وہ تو بڑا نقاد ہے تو کوئی اسے دھوکا کیسے دے اور اگر وہ کسی کے کامیاب ہونے کا اعلان کر دے تو کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس نے یہ اعلان کسی کے دباؤ کے تحت کیا ہے؟ ان کے ٹسٹ کیسے ہیں۔

ا: سب سے پہلے اس نے ان بھرتی ہونے والوں کے دلوں کا امتحان لیا چنانچہ فرمایا

اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ

یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لیا کہ ان میں تقویٰ کا وصف پایا جاتا ہے یا نہیں۔

تقویٰ کیا ہے؟ ہر اس کام سے بچنا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہو۔ اور جس شخص میں یہ صفت پیدا ہو جائے اس کی حیثیت کیا بن جاتی ہے:۔

(ا): ارشاد ھدی للمتقین ۔ یعنی قرآن حکیم ہے تو کتاب ہدایت مگر اس سے ہدایت وہی حاصل کر سکتے ہیں جن میں تقویٰ کا وصف موجود ہو یعنی جن میں بنیادی طور پر یہ جذبہ موجود ہو کہ جو کام اللہ کو پسند نہیں وہ نہیں کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہدایت سے کیسے۔

(ب): ان اللہ یحب المتقین، یعنی اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جن میں تقویٰ ہے۔

(ج): ان اللہ مع الذین اتقوا : یعنی اللہ کی رحمت مدد معیت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن میں تقویٰ کا وصف موجود ہے۔

(د): انما یتقبل اللہ من المتقین ۔ یعنی صرف اس کا عمل قبول ہوتا ہے جس میں تقویٰ کا وصف ہے۔

(ھ): ثم ننجی الذین اتقوا : قیامت میں نجات کے حقدار وہی ہونگے جو دنیا میں تقویٰ کے وصف کے حامل رہے۔

(س): اعدت للمتقین : یعنی جنت تو ہم نے ان کیلئے پہلے سے تیار کر رکھی ہے جو متقی ہیں

(ط): ان اکرمکم عند اللہ اتقکم : تم میں سے سب سے زیادہ معزز مکرّم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ توفیقِ عمل اصلاحِ عمل کا مدار تقویٰ پر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس امتحان کا نتیجہ کیا نکلا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں دو اعلان فرمائے

(۱): فعلم ما فی قلوبھم:۔ ان کے دلوں میں کیا ہے یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے اور واقعی اس کے بغیر کوئی جان سکتا ہی نہیں۔

(۲): کامیابی کا اعلان ہوا اور اس شان سے ہوا کہ اسکی نظیر نہیں ہو سکتی ارشاد ہے والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا واھلھا۔ یعنی اور اللہ نے انہیں تقوی کی بات پر جمائے رکھا (کیوں) اس لئے کہ وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور اس کے اہل تھے۔

جب تقوی کی اہلیت اور استحقاق سب سے زیادہ ان لوگوں میں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے خود بھرتی کئے تو ظاہر ہے۔ تو ہدایت کے مستحق بھی سب سے زیادہ وہی ہیں اللہ کے محبوب بھی ہیں اللہ کی معیت کے مستحق بھی وہی قبولیت عمل کے سب سے زیادہ مستحق بھی وہی۔ جنت انکی وراثت۔ اور جسے ملے گی ان کی تبعیت میں وارث جنت وہی کیونکہ انہی کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان سے بڑھ کر معزز و مکرم بھی وہی۔ یہ ہے پہلا ٹسٹ اور اس کا وہ نتیجہ جو اللہ تعالی نے سنایا۔

یہاں ایک بات وضاحت طلب ہے کہ تقوی کیلئے ایمان شرط ہے یعنی جس کا اللہ پر ایمان نہیں اس میں یہ وصف کیونکر پیدا ہو سکتا ہے کہ جو کام اسے پسند نہیں اسکے قریب بھی نہیں جائیگا۔

تو اس سلسلے میں اللہ تعالی انکی کامیابی کا اعلان ایک عجیب انداز میں فرمایا ارشاد ہوتا ہے۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم یعنی اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مرغوب اور مزین کر دیا ہے اللہ تعالی نے صرف ایجابی پہلو پر بس نہیں سلبی پہلو بھی واضح فرما دیا وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان یعنی کفر، فسق اور گناہ سے تمہارے دل میں نفرت پیدا کر دی، مراد یہ ہوئی کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت اس درجہ رکھ دی گئی کہ کفر سے بڑے گناہوں سے اور چھوٹے گناہوں سے نفرت رکھ دی گئی اور ایمان کامل کی نشانی ہی یہ ہے کہ کفر تو کیا کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے نفرت ہو جائے

اور اللہ تعالیٰ نے بات یہاں ختم نہیں کی بلکہ پورے حصر کے ساتھ فرمایا اولئک ھم الراشدون۔ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو راہ راست پر ہیں۔ اولئک اور ھم کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ معیار ہدایت ہیں یعنی حقیقت میں ہدایت یافتہ ہیں اور جس کو ہدایت ملے گی انکے اتباع کی وجہ سے ہی ملے گی۔

پھر انکے ایمان و یقین میں پے در پے اضافہ اور ترقی کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:

ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم

یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں کے دلوں میں اطمینان و سکون نازل فرمایا تاکہ انکے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ غزوۂ احزاب کے ضمن میں فرمایا

ولما راٰ المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔

یعنی جب صحابہ نے احزاب کو دیکھا تو کہنے لگے یہی تو وہ موقع ہے جس میں ہم سے کامیابی کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے کیا تھا اور واقعی وہ وعدہ سچا ہے۔ اس نازک وقت میں ان کے ایمان یقین اور اطاعت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

اور حق تو یہ ہے کہ انکے ایمان کے کمال اور بلندیوں کا کوئی کہاں تک کرے۔ اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کیلئے اپنا آخری اعلان فرمایا کہ: فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا یعنی جس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا کان کھول کے سن لے کہ اگر وہ اس طرح ایمان لایا جیسے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایمان لائے تو وہ ایمان قبول ورنہ مردود۔

مراد یہ ہوئی کہ صحابہ کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر ہر ایماندار کے ایمان کو کس کر دیکھا جائے گا۔ اور یہ کسوٹی ظاہر کر دے گی کہ اس میں کھرا پن کتنا ہے اور کھوٹ کس قدر ملا ہوا ہے۔

جہاں تک ان کی پرسنیلٹی یعنی شخصیت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بالعموم انسان کا رویہ دیکھا جاتا ہے۔ ان کے رویہ کے پہلے دو پہلو دکھائے ایک ذاتی ایک اجتماعی۔ پھر ان دونوں میں یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ مخلوق کے ساتھ رویہ کیسا ہے اور خالق کے ساتھ کیسا۔ چنانچہ خالق سے ان کے تعلق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے شخصیت اور حیثیت کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ یعنی جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آپ سے پیمانِ وفا

باندھا ہے ان کی شان یہ ہے کہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اللہ سے پیمان وفا باندھا ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ وہ اتنے محترم ہیں کہ ید اللہ فوق ایدیھم ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر اُن کی شخصی زندگی دیکھو تراھم رکعا سجدا۔ رکوع اور سجدہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طاعت کرنے کی انتہائی عاجزی کی دو صورتیں ہیں مگر ان کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ رکوع اور سجدہ نہیں ہوا کرتا مگر یہ ایسے لوگ ہیں کہ اسے دیکھنے والے تو انہیں جب دیکھے جس حالت میں دیکھے تو انہیں رکوع اور سجدے میں ہی پائے گا یعنی ان کی ہر حرکت ہر حالت ہر کام اور ہر بات اللہ کی طاعت اور عبادت میں ہی ہوگی گویا ان کی پوری زندگی ہی رکوع و سجود کی حالت میں گذر رہی ہے۔

مگر ہاں اللہ سے تعلق کے اس طرح اظہار سے لوگ جو فن کار ہوتے ہیں دنیوی مفاد حاصل کیا کرتے ہیں بلکہ مقصد دنیوی مفاد ہوتا ہے عبادت کی صرف ایکٹنگ کرتے ہیں۔ تو اسے دیکھنے والے کہیں تمہیں بھی یہ دھوکا نہ ہونے لگے کہ یہ ایکٹنگ کر رہے ہیں کوئی دنیوی مفاد پیش نظر ہوگا تو کتنے عظیم ہیں یہ لوگ کہ اللہ نے ان کی صفائی پیش کرتے ہوئے اعلان فرما دیا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ یعنی تم جس حالت میں انہیں دیکھو اور جو کچھ کرتا ہو یقین کرلو کہ یہ صرف اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں ان کے کسی عمل میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوگی

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے اس تعلق کے ملکہ راسخہ کا یہ عالم ہے کہ ان کی صورت دیکھ کر آدمی پہچان جاتا ہے کہ واقعی یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چنے ہوئے اور تربیت یافتہ لوگ ہیں۔

پھر ان کی شخصیت کے اجتماعی پہلو کا نقشہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ یعنی ان کی یلغار ہمیشہ کفر کے خلاف ہوتی ہے آپس میں وہ نہایت شفیق ہیں۔ اسی میں ان کے ایموشنل ٹسٹ کا نتیجہ بھی سنایا جا رہا ہے۔ کہ انسان کے اندر دو قوتیں رکھ دی گئی ہیں قوت غضبیہ اور قوت شہویہ۔ ایک سے نفرت کے جذبات پھوٹتے ہیں دوسری سے محبت کے۔ اور جو شخص کمزور شخصیت کا حامل ہو وہ ان جذبات کے استعمال کے محل میں دھوکا کھا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ اپنے جذبات میں یوں قابو میں رکھے ہوئے ہیں کہ ابھی کفر کے سامنے

آیا تو آگ بگولا ہوئے اور اسی لمحے حق سامنے آیا تو سراپا رحمت بن گئے یعنی یہ لوگ جذبات کی رو میں بہنے والے لوگ نہیں ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ آج یہ آزمائشوں میں ڈالے گئے یہ کامیاب ہوئے دنیا نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ان کی شخصیت نکھر کے سامنے آگئی اصل یہ ہے کہ روز ازل سے تخلیقی طور پر یہ بنائے ہی ایسے گئے تھے کہ یہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جرنیل اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اُنکی شخصیت کا سکہ ان لوگوں سے بھی منوایا جنہوں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا اور اس وقت منوایا جب یہ اس عالم آب وگل میں ابھی آئے ہی نہیں تھے ارشاد ہوتا ہے۔

ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔ یعنی ہم نے ان کی یہ خوبیاں توراۃ اور انجیل میں بیان کر دی تھیں لہذا ظاہر ہے کہ جو لوگ توارات اور انجیل کی صداقت پر ایمان لائے انہیں صحابۂ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر ایمان لانا پڑا۔ حالانکہ یہ لوگ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اگر تورات اور انجیل پر ایمان لانے والے ان صحابہ کا منکر ہوتا تو وہ یقیناً کافر ہوتا۔ تو آج ان کے پیدا ہونے اور اللہ کی آزمائشوں میں پورا اترنے کے بعد جو شخص ان کی عظمت صداقت للہیت کا انکار کرے اسے کوئی کس منہ سے مسلمان کہہ سکتا ہے وہ تو تورات انجیل اور قرآن تینوں کا منکر ہے اس کا کفر تو سہ آتشہ بن گیا۔

اس سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ مولانا محمد اکرم صاحب نے ایک بیان میں واضح فرمایا تھا کہ صحابیت بھی وہبی چیز ہے کسبی نہیں جس طرح نبوت وہبی ہے کسبی نہیں صحابۂ رسول تو روز ازل سے صحابی تھے اور ان کی صحابیت اور عظمت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بیان کر کے اہل کتاب سے بھی یہ حقیقت منوائی۔ مگر جنہوں نے تب نہ مانا یا اب نہ مانا ان کے کفر میں شک ہی کیا رہ گیا۔ آج اگر کوئی چمار یہ کہے کہ میں جنرل ضیا یا جنرل عارف کو جنرل نہیں مانتا تو اس کے کہنے سے ان کے جنرل ہونے میں شبہ ہونے لگے گا جن کو انسانی حکومت نے جنرل بنایا ہے تو کوئی بھنگی چمار سہی مگر یہ کہے کہ میں ان کو صحابی نہیں مانتا جن کی سند اللہ نے اور اللہ کے رسول نے دی تو کیا اس کی اس بیہودہ گوئی سے حقیقت بدل جائے گی۔

جہاں تک عملی زندگی میں مشکلات میں پڑ کر ثابت قدم رہنے کا تعلق ہے صحابہ پر سب

سے مشکل وقت وہ آیا جب پورا عرب امڈ کے آگیا اور چھوٹی سی بستی مدینہ طیبہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس مشکل وقت کے مشکل ترین ہونے کی خبر دی ہے ارشاد ہوتا ہے:

ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً۔ یعنی یہ وہ وقت تھا کہ صحابہ کو سخت ترین امتحان میں ڈالا گیا اور انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا۔ مگر پھر ہوا کیا۔ اس کیا کا جواب معلوم کرنے کے لئے جنگ کے فلسفہ اور جنگ کی تاریخ کا مطالعہ درکار ہے فوج کو جنگ میں کئی چیزوں کی ضرورت ہوتی۔ مثلاً اسلحہ، رسد سامان رسل و رسائل، افرادی قوت۔ ہر ایک کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم مگر ان سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہے فوج کا مورال۔ اگر مورال گر جائے تو سب چیزیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں جب انگلی کا پنے لگے تو لبلبی کون دبائے گا۔ تو اس شدید امتحان کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے مورال کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ان کی عظمت کا بولتا ہوا ثبوت ہے ارشاد ہے۔

ولما را المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔

یعنی جب صحابہ نے دیکھا کہ سارا عرب اسلام کو مٹانے کے لئے آگیا ہے تو بے اختیار کہنے لگے یہی تو وہ موقع ہے جس میں فتح کا اللہ و رسول نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور یہ کوئی جھوٹی تسلی یا محض بہلاوا نہیں تھا۔ اللہ و رسول کی بات سچی ہے اور سچی ہوتی ہے۔ ادھر مٹھی بھر نہتے صحابہ اور ادھر کیل کانٹے سے لیس پورا عرب لیکن کیا کہنا ان کے مورال کا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں کسی کمزوری کا احساس ہونے کی جگہ ان کے یقین میں اور بھی اضافہ ہونے لگا کہ واقعی ایسا ہو کے رہا۔

ع نبیؐ کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

کوئی کہاں تک بیان پورا قرآن ہی صحابہ کی عظمت کے بیان سے بھرا ہوا ہے کوئی صحیفہ کھول کے پڑھو بالواسطہ صحابہ کی عظمت کا بیان موجود ہوگا ہاں کسی کا ایمان اگر یہ ہو کہ یہ وہ قرآن ہی نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو اس سپیدہ چشم کو صحابہ کی عظمت کہاں نظر آئے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک کوئی جرنیل ملازمت میں ہوتا ہے اس کی پالیسی چلتی ہے اس کی اطاعت ہوتی ہے جب وہ ریٹائر ہو جائے تو اس کی ذہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جو جرنیل چُنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی تربیت فرمائی ان کی یہ حیثیت ان کی پیدائش سے پہلے بھی مخلوق سے منوائی گئی اور ان کے پیدا ہونے کے بعد اس دنیا سے سفر کر جانے کے بعد بھی منوائی گئی اللہ تعالیٰ نے اصول بیان فرما دیا کہ یہ قیامت تک کے لئے جرنیل ہیں ان کی پالیسی چلے گی ان کی اطاعت نہیں بلکہ ان کا اتباع ہر مومن کے لئے لازمی ہوگا اس کے بغیر کسی کا اسلامی فوج میں بھرتی ہونا ہی قابل قبول نہیں ارشاد ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجری تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم ۰

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا، جنت کی بہاریں۔ اور عظیم کامیابی صرف تین گروہوں کے لئے مختص ہے اول مہاجرین دوم انصار سوم قیامت تک پیدا ہونے والوں میں سے وہ لوگ جو ان دونوں گروہوں کی اتباع کرتے رہے اور وہ اتباع کوئی ضابطے کی کاروائی کے طور پر نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے صحابہ کے ساتھ عقیدت رکھ کے ان کی اتباع کرتے رہے۔ بس ان تینوں گروہوں کے علاوہ کسی کی کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب نہ کوئی مہاجرین کی صف میں شمار ہو سکتا ہے نہ انصار کے گروہ میں شامل ہو سکتا ہے صرف ایک گروہ باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے ان لوگوں کا گروہ جو سچے دل سے صحابہ کا اتباع کرتے ہیں اور کریں گے۔

صحابہ کی اہمیت اور ان کی عظمت اسلام کے ازلی دشمن بھی جانتے اور پہچانتے ہیں مگر ان کے جاننے اور پہچاننے کا مقصد دوسرا ہے وہ جانتے ہیں کہ صحابہ کی جماعت ہی وہ سنگین حصار ہے جس کو ڈھائے بغیر اسلام کا کچھ بگاڑا نہیں جا سکتا۔

چنانچہ اسلام کے خلاف سب سے پہلی تحریک اسلام کے ازلی دشمن ایک یہودی النسل عبداللہ بن سبا نامی نے چلائی۔ اس کا سب سے پہلا حملہ صحابہ پر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی دیانت امانت تقدس و تقویٰ اور ایمان کی ایسی سند عطا کی ہے جسے قیام قیامت تک کوئی مجروح نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے ایک تیر سے دو شکار کئے اول یہ سکھایا کہ یہ قرآن سرے سے وہ ہے ہی نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ صحابہ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو فرمایا وہ فرمان الٰہی نہیں بلکہ خود ساختہ باتیں دوسرا شوشہ یہ چھوڑا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بند ہوتے ہی سارے صحابہ (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے صرف تین چار رہ گئے مگر وہ ایسے کمزور تھے کہ اکثریت کے مقابلہ میں وہ حق کے لئے زبان کھول ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ بھی جھوٹے یہ بھی جھوٹے ان کے جھوٹ کا نام اس تحریک نے رکھا نفاق اور ان کے جھوٹ کا نام رکھا تقیہ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ برس کی نبوی زندگی میں معاذ اللہ ایک شخص بھی ایسا تیار نہ کیا جو سچ کہہ سکے۔ گو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی توہین یہ ہے مگر اس کی بلا سے اس نے تو اسلام کے خلاف محاذ قائم کرنا تھا اس کے جانشینوں نے اس یہودی کے نقش قدم پر چل کے اسلام کو یوں مسخ اور ایسا حلیہ بگاڑا کہ جو کچھ وہ آج اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں اسلام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب دشمنان اسلام نے اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کو مجروح کر دیا۔

اس کے بعد قرامطہ آئے باطنیہ آئے آغاخانی آئے اسی پر بس نہیں اسلام کے خلاف جو تحریک بھی اٹھی ہے اس کا پہلا ہدف صحابہ کی ذات بنی کیونکہ نبوت کے عینی شاہد صحابہ ہی تو تھے۔ قرآن کے نزول کے چشم دید گواہ صحابہ ہی تو تھے۔ جب تک ان کو راستے سے ہٹایا نہ جائے اسلام پر حملہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کا یہ اولیں فرض ہے کہ اس حصار کی پوری طرح دیکھ بھال کریں ایسا نہ ہو کہ نفاذ شریعت بھی ہوتا رہے اور صحابہ کے خلاف بکواس بھی جاری رہیں۔ صحابہ کی عظمت کا اعتراف اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے اور اسلام سے وفاداری کا ثبوت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح اعلان موجود ہے۔

یعنی جسے میرے ساتھ محبت ہو گی اسے لازماً میرے صحابہ سے محبت ہو گی اور جسے میرے ساتھ بغض ہو گا وہ یقیناً میرے صحابہ کے ساتھ بغض رکھے گا۔
لہٰذا صحابہ سے بغض دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور اسلام سے دشمنی کی وہ علامت ہے جس کی نشاندھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمادی ہے

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق رابسجودے ونبی را بدرودے

آپ کی اطلاع کیلئے

دارالعرفان میں برانچ پوسٹ آفس کا اجرأ ہو چکا ہے۔

یکم اگست سے ڈاک کا سلسلہ نئے ڈاکخانہ سے شروع ہو گیا ہے

آئندہ آپ صرف اس پتہ پر خط و کتابت کیا کریں۔

مقام و ڈاکخانہ دارالعرفان ضلع چکوال

المرشد کے دفتر چکوال سے خط و کتابت کے لئے ایڈریس "الحسنات منزل چکوال"

فون پر رابطہ کے لئے: منارہ فون 18/18 چکوال 599/599

'ادارہ'

۸۶

مکتوب حضرت مجدد الف ثانی رح

مکتوب (۷۳) قلیج اللہ ابن قلیج محمد خان کے نام

(نصائح)

......اے فرزند! دنیا محلِ آزمائش ہے اس کے ظاہر کو رنگ برنگ کی ٹیپ ٹاپ سے مزیّن اور اس کی صورت کو وہمی خال و خط اور زلف و خد سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ دنیا دیکھنے میں شیریں اور تر و تازہ نظر آتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک مُردار ہے جس کو عطر آلود کر دیا گیا ہے، ایک کوڑھی گھر ہے جو مکھیوں اور کیڑوں سے پُر ہے۔ ایک سراب ہے جو "آب نما" ہے۔ ایک شکر ہے جو زہر میں ملی ہوئی ہے۔ اس کا باطن سراسر خراب و ابتر ہے۔ اس گندگی کے باوجود اس کا معاملہ اپنے لوگوں سے انتہائی بُرا ہے۔ اس دنیا کا فریفتہ (درحقیقت) دیوانہ اور جادو زدہ ہے۔ اس کی محبت میں جو گرفتار ہے، وہ مجنوں اور فریب خوردہ ہے۔

جو شخص اس کے ظاہر پر لٹو ہُوا وہ ابدی خسارے کے داغ سے داغدار ہو گیا۔ اور جس نے اس کی (ظاہری) حلاوت و طراوت پر (للچائی ہوئی) نظر ڈالی، سرمدی ندامت اس کے حصے میں آئی۔

"سرورِ کائنات حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:"

ما الدنیا والاخرۃ الا ضرتان ان رضت احداھما سخطت الاخری۔

(دُنیا اور آخرت دونو آپس میں سوکن ہیں۔ ان میں سے ایک راضی ہوئی تو دوسری ناراض ہو گئی)

بنابریں جس نے دنیا کو راضی کیا، آخرت اس سے غصے میں رہی۔ ناچارہ وہ آخرت سے

بے نصیب رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت سے محفوظ رکھے۔

اے فرزند! جانتے ہو دنیا کس کو کہتے ہیں؟ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے تم کو باز رکھے وہ دنیا ہے۔ پس زن و فرزند، مال و جاہ اور ریاست (اگر یہ خدا سے غافل کر دیں) نیز لہو و لعب اور لایعنی اشیاء میں مشغولیت یہ سب چیزیں دنیا ہیں۔ جو علوم آخرت میں کام آنے والے نہیں، وہ بھی دنیاوی ہی ہیں۔ اگر علوم نجوم و منطق اور ہندسہ و حساب اور ان جیسے دیگر علوم عقلی کی تحصیل آخرت میں کار آمد ہوتی تو تمام فلاسفہ اہلِ نجات ہوتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کی رو گردانی کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی مشاغل میں مشغول ہو۔

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جاں کندن است

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ علم نجوم، اوقات صلوٰۃ کی پہچان کے لئے درکار ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علم نجوم کی تحصیل کے بغیر معرفتِ اوقات حاصل ہی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم نجوم بھی معرفت کا ایک طریقہ ہے (علوم پر ہی معرفت اوقات موقوف نہیں ہیں) چنانچہ بہت سے لوگ ہیں جو علم نجوم سے خبردار نہیں۔ لیکن اوقاتِ صلوٰۃ کو علماء نجوم سے بہتر پہچانتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات علم منطق اور علم حساب وغیر علوم عقلیہ کی تحصیل کے بارے میں بھی ہے۔ کہ وہ بعض علوم شرعیہ میں درکار ہیں۔ (یعنی کلیتہً ان علوم کے محتاج نہیں البتہ ایک طریقہ معرفت یہ علوم عقلیہ بھی ہیں) ۔ بہر حال بہت سے حیلوں کے بعد ان علوم عقلیہ میں مشغول رہنے کا جواز نکلتا ہے، بشرطیکہ علوم عقلیہ کے پڑھنے سے سوائے معرفتِ احکام شرعیہ اور تقویت ادلّہ کلامیہ کے اور کوئی مقصد نہ ہو۔ اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہو گا تو ہرگز جائز نہیں۔ ذرا غور کرو اگر کسی امر مباح کے اختیار کرنے سے امور واجبہ کا فوت ہونا لازم آتا ہو تو وہ امر مباح، دائرہ اباحت سے نکل جاتا ہے یا نہیں؟

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان علوم عقلیہ میں (بغیر نیت صحیح و بغیر ضرورت) مشغول رہنا علوم شرعیہ میں مشغول رہنے

کو فوت کر دیتا ہے۔

اے فرزند! تم کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت سے ابتدائے جوانی میں توفیق توبہ نصیب کی تھی۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے ایک درویش کے ہاتھ بیعت کرایا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیطان و نفس کے مقابلے میں تم کو اس توبہ پر استقامت حاصل ہوئی ہوگی یا نہیں؟ (بظاہر) استقامت مشکل نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ نوجوانی کا عالم ہے۔ اسبابِ دنیوی سب کے سب موجود ہیں اور ہم نشین زیادہ تر نامناسب اور ناموافق ہیں۔

ہمہ اندر زمن بتو ایں است
کہ تو طفلی وخانہ رنگین است

اے فرزند! "فضول مباحات" سے اجتناب کرنا چاہیئے اور (ضروری) مباحات میں بھی بقدر ضرورت پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ اور وہ بھی اس نیت سے کہ وظائف بندگی اطمینان سے ادا ہو جائیں۔ مثلاً خوراک سے مقصود یہ ہے کہ طاعات کی ادائیگی پر قوت وطاقت حاصل ہو جائے۔ پوشاک کا مقصد یہ ہے کہ قابل پوشیدگی حصہ جسم کی پوشیدگی اور گرمی و سردی کا بچاؤ ہو جائے۔ اسی پر تمام مباحاتِ ضروریہ کو قیاس کر لو۔ اکابر نقشبندیہ نے عزیمت پر عمل کرنا پسندیدہ قرار دیا ہے۔ رخصت سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے۔ "عزائم" میں سے یہ بھی ہے کہ بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کیا جائے۔ اور اگر یہ دولت میسر نہ آئے، تو کم از کم اتنا تو ہو کہ دائرہ مباحات (امور جائزہ) سے قدم باہر نہ رکھا جائے اور محرمات ومشتبہات تک نہ پہنچا جائے۔ امور مباحات سے پورے طریقے پر لطف اندوز ہونے کو تو خود اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے کمالِ کرم سے جائز قرار دے دیا ہے۔ اور دائرہ عیش وتنعم کو بہت وسیع کر دیا ہے (پھر کیا ضرورت ہے کہ اس کے آگے قدم بڑھا کر داد عیش وتنعم دی جائے)۔ اب ظاہری تنعمات سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ کونسی کلفت اس کے برابر ہے کہ اس کا مولیٰ اس کے اعمال سے ناراض ہو۔ جنت میں جو اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔ وہ جنت سے بہتر ہے اور دوزخ میں اس کی ناراضگی دوزخ سے بدتر ہے۔ بندہ اپنے مولیٰ کے حکم کا محکوم ہے۔ اس کو یوں ہی اس کی مرضی پر مہمل نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ فکر کرنا چاہیئے اور عقلِ دور اندیشی کو کام میں لانا چاہیئے ورنہ کل بروز قیامت سوائے ندامت وخسارے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ کام کا وقت جوانی کا

زمانہ ہے۔ جوانمرد ہے وہ جو جوانی کو بے کار ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت سمجھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کو بڑھاپے کے زمانے تک زندہ نہ رکھا جائے اور اگر بڑھاپے تک زندہ بھی رہا، تو اطمینان میسر نہ ہوگا اور اطمینان میسر ہو بھی جائے تو ضعف و سستی کارنامہ اس سے کچھ (کارِ خیر) نہیں کرا سکتا۔ یہ وقت جب کہ تمام اسبابِ جمعیتِ قلب میسر ہیں اور والدین کا سایہ بھی جو کہ من جملہ انعاماتِ حق ہے۔ موجود ہے۔ کہ غمِ معیشت سب ان کے سر پر ہے۔ فرصت کا وقت ہے اور قوت و استطاعت کا زمانہ ہے۔ کسی عذر کی بناء پر آج اعمالِ آخرت میں مشغول ہو جاؤ تو یہ بات بہت ہی اچھی ہو گئی جیسا کہ اس کا برعکس بُرا ہے۔

اس وقت جب کہ آغازِ جوانی میں نفس و شیطان کا غلبہ ہے۔ تھوڑے سے عمل کا وہ اعتبار ہو گا جو عدم غلبۂ دشمن کے وقت بڑے سے بڑے عمل کا نہ ہوگا۔ سپاہیوں کو دیکھو کہ غلبۂ اعداء کے وقت ان کی ادنیٰ بھاگ دوڑ کتنی معتبر اور قابلِ وقعت ہوتی ہے۔ اور امن کے زمانے میں ان کی جدوجہد کا یہ مرتبہ نہیں ہوتا۔

اے فرزند! انسان جو کہ خلاصۂ موجودات ہے۔ اس کی پیدائش کا مقصد نہ تو لہو و لعب ہے اور نہ کھانا اور سونا ہے۔ اس کی پیدائش کا مقصد تو وظائفِ بندگی کو ادا کرنا نیز جناب قدس میں ذلّت و انکسار، عجز و افتقار اور دوام التجا و تضرع ہے، وہ عبادت جس کو شریعت محمدیہ نے بنایا ہے۔ اور جس کی ادائیگی میں خود بندوں کی منفعتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ اللہ رب العزت کا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس کو بجان و دل ممنون ہو کر بجا لانا چاہیئے۔ اور پورے جذبۂ اطاعت کے ساتھ اوامر کو ادا کرنے اور نواہی سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ باوجودیکہ غنی مطلق ہے پھر بھی اس نے اوامر نواہی کے ذریعے بندوں کو سرفراز فرمایا ہے۔ ہم محتاجوں کو اس نعمت کا پورے طریقے پر شکر کرنا چاہیئے۔ اور ممنونیت کے ساتھ احکام کی فرمانبرداری کرنا چاہیئے۔

آنعزیز کو معلوم ہے کہ دنیا والوں میں سے کوئی ایسا شخص جس کو شوکت و جاہ حاصل ہے۔ کسی زیردست کو کسی خدمت پر سرفراز کر دیتا ہے۔ تو اگرچہ اس خدمت سے خود

صاحبِ شوکت شخص کو بھی فائدہ ہے۔ لیکن وہ زیر دست اس کے حکم کو کتنا عزیز رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایک عظیم المرتبہ شخص نے اس خدمت کا حکم دیا ہے اس بنا پر پوری ممنونیت کے ساتھ کام کرتا ہے تعجب ہے کہ عظمتِ خداوندی اس صاحبِ شوکت شخص کی عظمت سے بھی نظروں میں کم ہے۔ (اسی وجہ سے تو) اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری میں کچھ بھی کوشش نہیں ہوتی۔ شرم کرنا چاہیئے اور اپنے آپ کو خوابِ خرگوش سے باہر لانا چاہیئے۔ اوامرِ خداوندی کا بجا نہ لانا دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ بات ہے کہ شریعت نے جو اطلاعات دی ہیں ان کو جھوٹ جانتے ہیں اور باور نہیں کرتے۔ یا یہ ہے کہ عظمتِ حکمِ الٰہی دنیا والوں کی عظمت سے نظر میں کم ہے۔ غور کرو یہ دونوں باتیں کتنی بُری ہیں۔

اے فرزند ایک ایسا شخص جس کی دروغ گوئی کا بارہا تجربہ کیا گیا ہے۔ اگر کہتا ہے کہ دشمن کی فوج پورے غلبے کے ساتھ فلاں قوم پر شب خون مارے گی۔ یہ سُن کر اس قوم کے عقلاء اپنی حفاظت کے درپے ہو کر اس بلا کے دفعیہ کی فکر کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ خبر دینے والا دروغ گوئی کے ساتھ متہم ہے۔ مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ توہّم خطرہ کے وقت نزدِ عقلاء بچاؤ کا انتظام ضروری ہے۔ مُخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اہتمام کے ساتھ اخروی عذاب کی خبر دی ہے۔ اس خبر سے بالکل متاثر نہیں ہوتے۔ اگر متاثر ہوتے، تو اس عذاب کے دور کرنے کی کوشش کرتے۔ اور کمال یہ ہے کہ اس عذاب کے دور کرنے کا علاج مُخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معلوم کئے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کون سا ایمان ہے کہ مُخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کو اس مخبر کاذب کی خبر کے برابر بھی نہ رکھا گیا (جس نے شب خون کی جھوٹی خبر دی تھی)

یاد رکھو صورتِ اسلام نجات نہیں دے گی۔ یقین پیدا کرنا چاہیئے۔ یقین کہاں ہے؟ یقین چھوڑ ظن بلکہ وہم بھی نہیں ہے۔ ورنہ عقلاً تو خطروں کے وقت وہم کا بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی ایک اور بات سنو۔ حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

واللہ بصیر بما تعملون (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے)۔ اس ارشاد کے باوجود اعمالِ قبیحہ کئے جا رہے ہیں۔ اگر

کسی حقیر سے حقیر آدمی کے متعلق بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ ان اعمال قبیحہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو اس کے سامنے بُرے کام نہیں کریں گے۔ لامحالہ اس بات سے تو یہ سمجھا جائے گا کہ (نا عاقبت اندیش لوگ) مخبرِ حق کا یقین و اعتبار نہیں کرتے۔ اب بتاؤ کہ اس قسم کا کردار ایمان یا کفر؟

آنفرزند پر لازم ہے کہ از سر نو تجدید ایمان کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ (اپنے ایمان کو کلمہ طیبہ کے ذریعے تازہ کرو) لہٰذا اللہ کے غیر پسندیدہ باتوں سے دوبارہ خالص توبہ کرو۔ اللہ نے جن چیزوں کی نہی فرمائی ہے اور جن کو حرام قرار دیا ہے ان سے علیحدہ رہو۔ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ اگر تہجد میسّر ہو جائے تو زہے سعادت۔ ادائے زکوٰۃ بھی ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ زکوٰۃ بھی نکالو۔ وہ طریقہ جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی بسہولت ہو جاتی ہے یہ ہے کہ اپنے مال میں جو حقِ فقراء ہے (چالیسواں حصہ) اس کو سالانہ جدا کر لیا جائے۔ اور اس کو زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھ کر سال بھر تک معارفِ زکوٰۃ میں صرف کیا جائے۔ اس صورت میں ہر مرتبہ ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک مرتبہ نیتِ زکوٰۃ سے مال کا جدا کرنا کافی ہوگا۔ ویسے تو فقراء و مستحقین پر بہتیرا خرچ کرتے ہوں گے۔ لیکن چونکہ نیتِ زکوٰۃ نہیں ہوتی، اس لئے زکوٰۃ میں وہ رقم محسوب نہ ہوگی۔ اور جو صورت لکھی گئی ہے اس میں زکوٰۃ بھی اپنے ذمّہ سے اُتر جائے گی اور بے اندازہ خرچ سے بھی چھٹکارہ حاصل ہو جائے گا۔ اگر بالفرض اس قدر رقم زکوٰۃ سال بھر میں فقراء پر خرچ نہ ہوئی اور کچھ باقی رہ گئی تو اس بقیہ کو بھی اپنے مال سے جُدا رکھیں۔

ہر سال یہی طریقہ عمل میں لائیں۔ جب مالِ فقراء جدا کر لیا جاتا ہے، تو اگر آج اِس کی ادائیگی کی توفیق نہ ہوگی تو شاید کل کو توفیق ہو جائے۔

اے فرزند! چونکہ نفسِ انسانی بالذات انتہائی بخیل اور احکام الٰہی کی بجاآوری میں سرکش واقع ہوا ہے۔ اس لئے ضرورت کی بنا پر بات پورے اہتمام سے کی جا رہی ہے۔ ورنہ اموال و املاک سب اللہ کے ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ ان اموال کی زکوٰۃ دینے میں دیر لگائے۔ زکوٰۃ پوری شکرگزاری کے

ساتھ ادا کرنی چاہیئے۔ اس طرح تمام عبادات میں کسی طرح ہر اپنے آپ کو معاف نہ رکھا جائے۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی سعی بلیغ کرنا چاہیئے اور کوشش کرنا چاہیئے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہ جائے۔ دنیا میں بندوں کا حق ادا کرنا آسان ہے یہاں ملائمت اور خوشامد سے بھی کام چل جائے گا۔ اور آخرت میں بڑی مشکل آ پڑے گی، کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی۔

احکام شرعیہ کو علماء آخرت سے دریافت کرنا چاہیئے۔ ان کی بات میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ شاید ان انفاس کی برکت سے عمل کی توفیق ہو جائے۔ علماء دنیا سے۔ جنہوں نے علم کو وسیلہ مال وجاہ بنا رکھا ہے۔ دور رہنا چاہیئے۔ البتہ اگر تقویٰ شعار علماء نہ مل سکیں۔ تو پھر مجبوراً ان علمائے دنیا سے معلوم کر لیا جائے۔ وہاں (لاہور میں) حاجی محمد اترہ علماء دیندار میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اترہ خود تم سے واقف ہیں

لہٰذا یہ دونوں بزرگ اس علاقہ میں غنیمت ہیں مسائل شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔ چونکہ تم عقیدت کے ساتھ فقراء کی جانب توجہ رکھتے ہو، اس مناسبت سے دل کی اکثر اوقات تمہاری طرف توجہ رہتی ہے۔ وہی توجہ اس گفتگو کا باعث ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ان نصیحتوں اور مسئلوں میں سے اکثر تمہارے کانوں میں پہلے ہی پڑ چکے ہونگے۔ لیکن مقصود عمل ہے نہ کہ محض علم۔ وہ بیمار جو رہتے ہیں مرض کی دوا کا علم رکھتا ہے جب تک اس دوا کو استعمال نہ کرے گا، صحت نہیں پائے گا۔ فقط دوا کا علم اس کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انّ اشدّ الناس عذاباً یوم القیمۃ عالم لاینفعہ اللہ بعلمہ۔

(قیامت کے دن اس عالم کو زیادہ عذاب ہو گا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہیں پہنچایا)

ماہنامہ المرشد کے قارئین حضرات سے التماس ہے کہ المرشد کا یہ شمارہ نئے سال کا دوسرا شمارہ ہے اگر آپ نے سابقہ سال کا چندہ ادا نہیں تو فوراً ارسال فرمائیں اور نئے سال کا چندہ بھی صرف ۴۵/- روپے ہے۔

دیکھتا چلا گیا

سیلانی کے قلم سے

۱- اعتدال ضروری ہے:

ملک کے ایک مؤقر جریدہ کے جمعہ میگزین کے پہلے صفحے کی بسم اللہ تبرج جاہلیہ کی آئینہ دار ایک خاتون کی تصویر ہے۔ نیچے لکھا ہے: ــــ "فیشن میں اعتدال ضروری ہے"
اور اس تصویر میں اعتدال کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے وہ یوں کہ سر کے بال کٹے ہوئے سر ننگا بازو ننگے، آدھا سینہ ننگا یہ گویا فیشن میں اعتدال کا نمونہ ہے اور بے اعتدالی کی حد اس سے نیچے شروع ہوتی ہے
اس تصویر کے یوں نمایاں انداز میں چھاپنے کا مقصد یہی سمجھ میں آسکتا ہے کہ نفاذ شریعت اور نفاذ اسلام کے لئے ہر معاملے میں اعتدال ضروری ہے اور داعی اسلام کے متعلق ملتا ہے کہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکاسیات العاریات یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو کپڑے پہن کے بھی ننگی رہتی ہیں۔ گویا تصویر اور نوشتۂ تصویر، عوام کے لئے یہ پیغام ہے کہ نفاذ اسلامیہ کا تقاضا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے میں اعتدال سے کام لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملعون بننے میں خود بخود اعتدال آجائے گا۔

ـــہ اس کی باتوں سے اسے تو نے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

۲- پیشانی اور پیٹ:

ایک مقامی روزنامہ کی پیشانی پر لکھا ہے: "بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے" (حدیث پاک)
اور اندر ۸۰ برس کی ایک امریکن اداکارہ کی تصویر دی گئی ہے جس کے نیچے لکھا ہے
"گم پیٹا گا بو کی ایک جوانی کی تصویر"
اگر کوئی قاری پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے کیا نفاذ اسلام میں اس کی برکات "کسی درجے میں مد ثابت ہونگی، یا قوم کی بگڑی بنانے میں اس کا کچھ دخل ہوگا یا جوانوں میں جوش جہاد پیدا کرنے میں یہ

تصویر محرک ثابت ہوگی؟ یا اس حرکت کے ساتھ پیٹ کا کوئی مسئلہ وابستہ ہے۔ پیشانی پر لکھی ہوئی حدیث پاک کے حق میں ہونے میں کلام نہیں لیکن اس کا امکان بھی ہے کہ نفس چالاک اور مکار کے سامنے حق پر قائم رہنا شاید جہاد اکبر ہو، ہاں مگر جہاد اصغر کرتے کرتے ہی کہیں جا کے جہاد اکبر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ــــ قوم کے اعصاب پر عورت ہے سوار

۴۔ انسانی فطرت:

ایک روز نامہ کے جمعہ ایڈیشن میں جمعۃ المبارک کے تقدس کے پیش نظر تبرک کے طور پر ایک صفحہ پر سات نشین زندہ خواتین کے رنگین فوٹو چھپے ہیں اور غالباً اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک حقیقت بتائی گئی ہے کہ:

"خود کو نمایاں کرنا انسانی فطرت ہے"

اگلے جمعہ کو اہل نظر کو توقع رکھنی چاہیئے کہ شاید یہ سبق ملے کہ "خود کو عریاں کرنا انسانی فطرت ہے" اور اس کے مناسب حال تصویریں بھی چھپ جائیں اور اس کے ثبوت میں یہ قطعہ لکھ دیا جائے۔

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا　　خود ہم نے کیا ازار اور انگا پیدا

کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے　　نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

ریسرچ: مدارس کے نصاب کی ایک کتاب دیکھی نام لکھا ہے "مطالعہ پاکستان (لازمی)" برائے طلبہ و طالبات انٹرمیڈیٹ۔ احمد شفیع چوہدری، لکی بک سنٹر لاہور جدید ایڈیشن ۱۹۸۲ء اس کتاب کے صد ۸۱ پر ایک دینی شخصیت کا تعارف کرایا گیا ہے:۔

سید غلام محی الدین گولڑوی: حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی اپنے وقت کے جید عالم ممتاز روحانی رہنما اور بلند پایہ مصنف تھے، آپ حضرت غلام محی الدین گولڑوی کے اکلوتے فرزند تھے"۔ حیرت ہوئی کہ ہم نے تو یہی دیکھا تھا کہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ باپ تھے اور حضرت غلام محی الدین صاحب ان کے اکلوتے فرزند تھے، اب یہ ریسرچ کیا ہوئی کہ باپ کو بیٹا اور بیٹے کو باپ بنا دیا یعنی رشتوں کی ترتیب P.T.O کر دی۔ اور یہ کتاب کا جدید ایڈیشن ہے قدیم ایڈیشن ختم ہوگیا نہ جانے کتنے دماغ یہ نئی تحقیق لے کر کالجوں سے فارغ ہوئے تھے۔ اگر کسی نئی کتاب میں یہ ریسرچ بھی آ جائے کہ محمدؐ نے اللہ کو رسول بنا کر بھیجا۔ تو کچھ بعید نہیں۔

گر ہمیں مکتب است وہمیں ملا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

پہلا تحفہ: ایک مقامی اخبار میں خبر چھپی ہے کہ "عوامی نمائندوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلحہ کے لئے فیس کی شرح میں جو اضافہ کیا گیا فوراً واپس لیا جائے کیونکہ عوام یہ طعنہ دیتے ہیں کہ جمہوریت کا پہلا تحفہ ہے یہ"

مطالبہ تو درست ہے مگر مطالبہ کرنے کی وجہ جو بیان ہوئی ہے وہ ہے عوام کا طعنہ یعنی عوام اگر یہ نہ کہتے تو فیس میں اضافہ کرنے میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ عوام نے اگر یہ طعنہ دیا ہے تو غلط دیا ہے کیونکہ یہ تو جمہوریت کا دوسرا تحفہ ہے۔ پہلا تحفہ تو وہ منصوبہ ہے جو قوم کی دوشیزاؤں کو عالمی منڈی میں بھیجنے کے لئے تیار ہوا ہے کہ کوریا میں جاکر شرافت، انسانیت، نسوانیت، عفت وعصمت کو عالمی سلامی کے لئے پیش کریں۔ تاکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ پاکستان میں اسلام نافذ ہو رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ ماڈرن اسلام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ اسلام میں تو عورت کو محرم کی معیت کے بغیر حج پہ جانے کی بھی اجازت نہیں۔ اوّل تو یہ عورتیں نہیں ہوں گی دوشیزائیں ہوں گی ان میں فرق ظاہر ہے جیسا کہ زنانہ کالجوں میں انٹر کالج کے لئے لکھا جاتا ہے گرلز انٹر کالج۔ اور ڈگری کالجوں کے لئے لکھا جاتا ہے کالج فار ویمن، دوسری بات یہ ہے کہ حج پہ جانے کی ممانعت ہے عالمی منڈی میں اپنے جسم کی نمائش کے لئے جانے کی ممانعت تو کہیں نہیں آئے گی۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجمی است

رہی بات دوسرے تحفہ کی جسے عوام نے پہلا تحفہ قرار دیا تو اس کی وجہ وہ حکمت ہے جو اس حکم میں پوشیدہ ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ گورنمنٹ آف دی پیپل کا حکم ہے اور ہے بھی فار دی پیپل اور گورنمنٹ کے احکام میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ ہر ذہن میں نہیں آسکتیں اسی لئے داناؤں نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے صدیوں پہلے کہا تھا کہ ع

ع رموزِ مملکت خویش خسروان دانند

اس حکم کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے یا وہ جانتے ہیں جن کو اللہ نے حاکم بنایا ہے۔ مگر ایک عام آدمی کے ذہن میں تو یہ حکمت آتی ہے کہ اسلحہ کی فیس جب اتنی بڑھی تو اسلحہ وہی رکھے گا جو فیس ادا کر سکے گا اور فیس وہی ادا کر سکے گا جو بسیں لوٹنے ریلوں پہ ڈاکہ ڈالنے، سمگلنگ کرنے، غبن کرنے، رشوت لینے میں ماہر ہو۔ اور جو صرف جائز آمدنی پہ گذارہ کرنے والا ہو وہ فیس ادا ہی نہیں کر سکے گا۔ تو اسلحہ رکھے گا کیسے۔ لہٰذا شرفا کا بوجھ ہلکا ہو گیا کہ اپنی حفاظت کا انتظام کرنے کی فکر سے آزاد ہو جائیں کیونکہ سرکار ان کی حفاظت خود کرے گی۔ اگر کسی شریف کو اس پہ اعتبار نہ آئے تو ڈھوک کھبنہ اور دھرم اور کوئٹہ کے حالات کسی سے پوچھ لے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ تہذیبی ترقی کی وجہ سے اقدار بدل گئی ہیں، یہ دو قدریں تسلیم کی جاتی تھیں منی ویلیو۔ اور انٹرنزک ویلیو۔ اب یہ دونوں قدریں قصۂ پارینہ ہو چکی ہیں ایک نئی قدر ابھری ہے اور وہ ہے نوائے سانس ویلیو، یعنی غنڈہ ازم۔ اور شرفا اس نئی قدر کو تسلیم کرنے سے رہے۔ اس لئے ان کا وجود سطح زمین کے لئے ایک بیکار بوجھ ہے، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں۔ اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کے پاس اسلحہ عام ہو، اور جن لوگوں میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ یہاں سے چلتے بنیں اور ملک میں ان لوگوں کی اکثریت ہو جائے جو اس نئی قدر کے معیار پہ پورے اُترتے ہوں، لہٰذا ان عوام کو جو ان اوصاف سے عاری ہیں۔ طعنے نہیں دینے چاہئیں بلکہ کسی کلہاڑے یا ہتھوڑے کے اذیت ناک عمل کی بجائے گولی کی مدد سے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیئے۔

جمہوریت زندہ باد

> گرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
> مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

ایک اشکال اور اس کا ازالہ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اکابر کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ مدارس اور دارالعلوم میں جو فتنے اٹھ رہے ہیں ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں ذکراللہ کا اہتمام نہیں۔ اور فرمایا کہ "میرا خیال یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کی صورت صرف ذکراللہ کی کثرت ہے" (آپ بیتی ۷ ص ۱۴۶)

اس کے جواب میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ۹ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ کو حضرت شیخ الحدیث کو جوابی خط لکھا جس میں فرمایا۔

ہمارے اکابر جو اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمہ تھے وہ محتاج بیان نہیں ان کی تدریس و تعلیم سے غیر شعوری طور پر ایسی تربیت ہوتی تھی اور ان کی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے۔ بلا شبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لئے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق نصیب فرمائے۔

البتہ ایک اشکال ذہن میں آیا کہ ویسے تو علوم دین تدریس کتب دینیہ سب ہی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں اگر اخلاص اور حسن نیت نصیب ہو۔ اور ذکراللہ بھی اگر خدانخواستہ ریاکاری سے ہو تو عبث بلکہ وبالِ جان ہے۔ لیکن اگر کسی درسگاہ میں تعلیم قرآن کریم کا شعبہ بھی ہے اور بچے تعلیم قرآن اور حفظ قرآن میں مشغول ہیں اور الحمدللہ ایسے مدارس بھی ہیں جہاں معصوم بچے اور مسافر بچے شب و روز میں بلا شبہ بارہ گھنٹے تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہیں۔ مقصد بھی الحمدللہ بہت اونچا اور نیت بھی صالح تو کیا یہ ذکراللہ ان ذاکرین کے ذکر کی جگہ پر نہیں کر سکتے" (ایضاً ص ۱۵۶-۱۵۵)

حضرت شیخ الحدیث کا جواب

"........ آپ نے جو اشکال کیا وہ بالکل صحیح ہے مگر اس تالی کے ساتھ مقدم کا تحقق ہو جائے تو سب کچھ ہے یقیناً قرآن پاک کی اور حدیث کی تعلیم تو بہت اونچی ہے اور اس میں سب کچھ ہے اس کا مقابلہ کوئی چیز کیا کر سکتی ہے۔

مگر تابعین کے زمانہ سے قلبی امراض کی کثرت ہے۔ اس زمانہ کے مشائخ کو ان علاجوں کی طرف متوجہ کیا جیسا کہ امراض بدنیہ میں ہر زمانہ کے اطباء نے نئے نئے امراض کے لئے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں ایسے ہی اطبائے روحانی نے قلوب کے زنگ کے لئے ادویہ اور علاج تجویز کئے۔ میری نگاہ میں بھی ایسے اشخاص گذرے ہیں جو دورہ سے فراغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے ہم نے ہاتھ نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلوب میں تغیر پانے لگے او کما قال

اس قوت تاثیر کا نمونہ امت کے افراد میں بھی پایا گیا .... مگر یہ چیز تو قوت تاثیر اور کمال تاثر کی محتاج ہے جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر و شغل کی ضرورت نہیں۔ یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواع علاج ہیں جیسا ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی یونانی وغیرہ اطبائے بدنیہ نے تجربوں سے تجویز کئے ہیں۔

اس طرح اطبائے روحانی نے بھی تجربات اور قرآن و حدیث کے استنباطات سے امراض قلبیہ کے علاج تجویز فرمائے ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اسکو تو پہلے تنقیہ کی خاطر اسہال کیلئے ہی دوائیں دیں گے ورنہ یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں (ایضاً صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۱)

(حضرت شیخ الحدیث نے جو اطبائے روحانی بدنیہ کے ساتھ تو مقابلہ کر کے فرمایا کہ "دونوں نے نئے نئے امراض کیلئے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں" یہ بات دل کو لگتی نہیں۔ فقیر

کے خیال میں کسی روحانی طبیب نے کوئی نئی دوا ایجاد نہیں کی بلکہ

یکے دواست بدارالشفائے میکدہ ہائے
اگر نہ درد دہنا لد کسے شراب دہید۔

اور وہ دوا کسی طبیب کی ایجاد کردہ یا تجویز کردہ نہیں بلکہ رب العالمین کی بتائی ہوئی ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اور رحمۃ للعالمین کی فرمائی ہوئی ہے کہ لکل شیئ صقالۃ و صقالۃ القلوب ذکر اللہ یعنی ہر چیز کا میل دور کرنے اور اسے چمکانے کی تدبیر ضرور ہوتی ہے اور دلوں کا زنگ اتارنے اور دلوں کو منور کرنے کی تدبیر صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ کا ذکر۔ لہذا اطبائے روحانی کو "ایجاد" کا ذمہ دار قرار دینا مشکل ہی نظر آتا ہے ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اسی واحد نسخہ کے استعمال کی صورتیں نئی نئی دریافت اور اختیار کی گئیں۔ کہیں ذکر دو ضربی کہیں چار ضربی۔ کہیں پاس انفاس وغیرہ۔ بہرحال نسخہ ایک ہی ہے اور ہے بھی قرآن و حدیث کے واضح الفاظ میں۔ ایسے واضح کہ ان کی تاویل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

دوسری بات جو حضرت بنوریؒ نے فرمائی کہ "کیا تلاوت قرآن میں مشغول رہنا یہ ذکر اللہ۔ ان ذاکرین کے ذکر کی جگہ پر نہیں کر سکتے"۔ یوں تو بڑے آدمیوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں اور

اے عدم جن کی بات چلتی ہو
بات کرتے ہیں کس قرینے سے

مگر یہ امر بھی قابل غور قابل توجہ ہے۔ کہ کوئی کتنا ہی خلوص سے تلاوت قرآن حکیم کرے۔ مگر کہاں اسکی تلاوت اور کہاں اسکی تلاوت جس پر قرآن نازل ہوا۔ اور کوئی کتنا حدیث کا درس دے کہاں اسکی تعلیم و تدریس جس کی زبان اطہر سے نکلا ہوا ہر لفظ حدیث ہے۔ اور کیا اس نے تلاوت قرآن میں اور "درس حدیث" میں کوئی کمی رہنے دی تھی۔ کمی کا کیا ذکر رب العالمین خود شہادت دیتا ہے۔ کہ ان لک فی النھار سبحا طویلا۔ سبح کے معنی تیرنے اور تیز چلنے کے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی مشغولی جس کا کسی اور جگہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہ لمحہ طاعت الہی اور خدمت خلق کی نذر رہتا تھا۔ مگر اس کے باوجود ارشاد ہوتا ہے واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ اطبائے روحانی نے یہیں سے دوائے ذکر کا مقصد مستنبط کیا ہے۔ لہذا دوسرا ایسا کون ہے جس کی تلاوت قرآن اور جس کا درس حدیث اس پایہ کا ہو کہ اسے ذکر الہی سے بے نیاز کر دے۔ = مدیر)

تقویٰ تعمیر سیرت کیلئے لازم ہے

بحر غوث

اس عنوان میں دو لفظ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اوّل تعمیر سیرت اور یہ مقصد ہے دوم تقویٰ جو اس مقصد تک پہنچنے کا اہم ذریعہ ہے۔

سیرت کسے کہتے ہیں؟ یہ سوال تفصیل طلب ہے۔ انسان جب کوئی کام بار بار کرتا ہے تو وہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اس کام کے کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی وہ کام چھوڑ نہیں سکتا اس کو عادت کہتے ہیں چونکہ زندگی میں بے شمار کام ایسے ہیں جو بار بار کرتے پڑتے ہیں یا آدمی اپنی مرضی سے بار بار کرتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بہت سی عادتیں ہیں تو عادتوں کے مجموعہ کو سیرت کہتے ہیں گویا سیرت دراصل انسان کا رویہ ہے جس کے تین رخ ہوتے ہیں۔ اس کا اپنی ذات سے رویہ کیسا ہے دوسری مخلوق سے کیسا ہے اور اپنے خالق سے کیسا ہے یہ تیسری بات صرف ان لوگوں کے پیش نظر ہوتی ہے جنہیں یقین ہو کہ خالق ہے پھر اس کی معرفت بھی حاصل ہو کہ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے۔ یوں کہئیے کہ ایک مسلمان کی سیرت کو پرکھنے کے لئے یا سیرت کی تعمیر کے لئے ان تینوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کام اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عادتیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی۔ لہٰذا اچھی عادتوں کے مجموعے کو حُسنِ سیرت کہیں گے اور بُری عادتوں کے مجموعے کو بُری سیرت کہیں گے۔ جب تعمیر سیرت کا سوال سامنے آئے گا تو اس سے لازماً یہ مراد ہوگی کہ اچھی عادتوں کا زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ بُری عادتوں کو جمع کر لینے کو تعمیر نہیں کہہ سکتے یہ تو تخریبی عمل ہوا۔ لہٰذا تعمیر سیرت کا لازمی مقصد یہ ہوگا کہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اچھی عادتوں کو جمع کر لینے کا اہتمام کیا جائے اور یہ کام اتنا اہم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی مجھے تو صرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اعلیٰ اخلاق

عمدہ سیرت کی تکمیل کا نمونہ پیش کردوں

دوسری بات یہ ہے کہ جب کام دو قسم کے ہیں اچھے اور بُرے تو اسلام نے انسان کی سیرت کی تعمیر کے لئے ان دونوں قسموں سے متعلق الگ الگ ہدایات دی ہیں۔ جن کو اوامر اور نواہی کہا جاتا ہے یعنی کرنے کے کام اور وہ کام جن سے بچنا لازمی یعنی تعمیر سیرت کے سلسلے میں جتنا اہم اچھے کام کرنا ہے اتنا ہی اہم بُرے کاموں سے بچنا ہے۔ بلکہ شرف انسانیت یا انسان کا فرشتے سے بھی افضل ہونا اس دوسرے پہلو کی وجہ سے ہے یعنی اوامر کے سلسلے میں انسان جتنی بھی کوشش کرے وہ عبادت میں فرشتے سے نہیں بڑھ سکتا ارشاد باری ہے یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ یعنی فرشتے تو صرف تعمیل حکم میں منہمک رہتے ہیں اور انسان کے لئے کرنے کے ساتھ بچنا بھی ضروری ہے۔ تو جس قدر انسان بچنے کے پہلو میں ترقی کرے گا اتنا ہی اس کی سیرت ارفع اور اعلیٰ ہو گی۔

تقویٰ کا لفظ لغت کے اعتبار سے صرف بچنے کا مفہوم رکھتا ہے لیکن اسلام کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی ہر ایسے کام سے بچنا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسندیدہ ہوں۔ اس کام کے لئے بڑا ضبط ڈسپلن اور کنٹرول درکار ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت اُبی بن کعبؓ سے تقویٰ کا مفہوم پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ امیر المومنین آپ کسی ایسے تنگ راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں یا باڑ ہو۔ فرمایا ایسا ہوا ہے پوچھا اس گزرنے کی کیفیت بیان فرمائیے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کپڑے لپیٹ کر جسم سمیٹ کر گزرا ہوں کہ کوئی کانٹا کپڑے سے نہ اُلجھ جائے یا جسم پر کوئی خراش نہ آنے پائے تو حضرت اُبی بن کعبؓ نے فرمایا امیر المومنین زندگی میں برائیوں سے اسی طرح بچ کے گزرنے کا نام تقویٰ ہے جیسے کسی نے کہا ہے ؎

زندگی کی راہ میں چل پر ذرا بچ بچ کے چل
یوں سمجھ لے کوئی مینا خانہ بر دوش ہے

بچنے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیجئے کہ ایک آدمی بڑا صفائی پسند ہے کپڑے اور جسم نہایت صاف رکھتا ہے اگر وہ غلاظت سے میل سے داغ دھبوں سے کیچڑ سے بچتا نہیں تو صفائی کیونکر رکھ سکے گا۔ ایک آدمی اپنی حفاظت کا بڑا اہتمام کرتا ہے اگر وہ آگ سے بچتا نہیں زہر سے بچتا نہیں تو محفوظ کیونکر رہ سکے گا اس لئے معلوم ہوا کہ ہر خوبی کی حفاظت اس کی بقا اس کی تکمیل کے لئے بچنے کا عمل نہایت ضروری ہے اسی عمل کا نام تقویٰ ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی اہمیت

جس انداز سے بیان فرمائی ہے اس
پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے
بغیر انسان نہ اپنی ذات کے لئے مفید ثابت
ہو سکتا ہے نہ مخلوق کے لئے اس کا وجود
کسی درجے میں مفید ہو سکتا ہے نہ اس کا تعلق
اپنے خالق سے کما حقہٗ قائم رہ سکتا ہے ظاہر ہے
کہ جب تینوں پہلو ناقص رہے تو سیرت کی تعمیر
کیونکر ہو گی چنانچہ ارشاد باری ہے۔

(۱) "یعنی اگر تم اپنے اپنے صبر کی عادت اور تقویٰ
کا وصف پیدا کر لو تو یہ بڑی قابل تعریف بات ہے"

(۲) تقویٰ دشمنوں سے محفوظ رکھنے کا باعث ہے
"یعنی اگر تم صبر کرنا سیکھ لو اور تقویٰ کا وصف
پیدا کر لو تو دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"

(۳) تقویٰ معیت باری کا سبب ہے" یعنی اللہ
ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں
اللہ ساتھ ہو تو ڈر کس کا اور کسی کس چیز کا۔

(۴) سختیوں سے نجات اور رزق حلال کا سبب
تقویٰ ہے" یعنی جو اللہ کی نافرمانی سے بچے
گا اللہ اسے سختیوں سے نکال دے گا اور اسے
وہاں سے رزق پہنچائے گا کہ اسے وہاں کا
گمان تک نہ ہوگا"

(۵) تقویٰ اصلاح سیرت کا سبب ہے" یعنی اللہ کی
نافرمانیوں سے بچتے رہو اللہ تمہارے اعمال
کی خرابیوں کی اصلاح کر دے گا"۔

(۶) تقویٰ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے" یعنی
تمہارے اعمال کی اصلاح بھی کر دے گا پھر بھی
کوئی کمی رہ گئی تو معاف کر دے گا"

(۷) تقویٰ محبت الٰہی کا سبب ہے" یعنی یقیناً اللہ ان
لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنے اندر تقویٰ کا
وصف پیدا کر لیتے ہیں"

(۸) تقویٰ قبول عبادت کا سبب ہے"

(۹) تقویٰ عظمت کی علامت ہے۔
"یعنی تم میں سے سب سے اعلیٰ اور معزز
اور اونچی شان والا وہ ہے جو تم میں سے
سب سے زیادہ متقی ہے"

(۱۰) تقویٰ نجات کا ذریعہ ہے۔
"یعنی ہم اسے نجات دیں گے جو تقویٰ اختیار کرے گا"

(۱۱) تقویٰ ہمیشہ کے لئے جنت کے حصول کا ذریعہ ہے
"یعنی ہم نے تقویٰ والوں کے لئے پہلے ہی جنت
تیار کر رکھی ہے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ توفیق عمل اصلاح عمل اور قبول عمل
کا مدار تقویٰ پر ہے اور عمل ہی کا نام سیرت ہے اور حسن عمل
کا نام حسن سیرت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تعمیر سیرت کے لئے جس
وصف کی اتنی تعریف کی ہے اس کی اہمیت اور عظمت میں کون شک کر سکتا ہے
اور کیسے شک کر سکتا ہے

روح کا ہے امتحان اور زندگی کا کورس ہے
ہے مبارک وہ سمجھو قرآن جس کا سورس ہے
(SOURCE)

حمد

محمد عارف خان، کوہاٹ

نورِ عرفانِ الٰہی مجھے کر عطا
مجھ کو عارف بنا مجھ کو عارف بنا

مشعلِ راہ سب کے لئے میں بنوں
قلبِ ویران کو بھی ذرا جگمگا

گرمیِ عشق سے دل منوّر رہے
مُہر سینے پہ تو لا الٰہ کی لگا

رحمتوں کا تری بیکراں بحر ہے
ذرّہ ذرّہ ہے مظہر تری ذات کا

تیرے رحم و کرم کا بھی سایہ ملے
میں ہوں ناچیز بندہ ترا یا خدا

نورِ عرفانِ عشق و محبت ملے
معرفت کا دیا میرے دل میں جلا

کافی

محمد عارف خان، کوہاٹ

سینے دے وچ چانن کر دے
میری خالی جھولی بھر دے

رات ہنیری لمّے پینڈے
دل دا دیوا روشن کر دے

حرص، ہوس نہ لالچ ہووے
پیار محبت والا در دے

عزّت عظمت کجھ نہ منگاں
اپنا خوف تے اپنا ڈر دے

نعت
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں

طالب کلیانپوری

حدودِ فہم و فرد سے باہر بلندیوں پر مقام تیرا
ہے ذات خیر الانام تیری کلام خیر الکلام تیرا

نزولِ رحمت ہے ذکر تیرا حصولِ راحت ہے فکر تیری
نوید صبر و قرار دے کر زبان پہ آتا ہے نام تیرا

تری صباحت ہے بحر دیدہ میں تری ملاحت ہے خشک و تر میں
تمام دنیا پہ چل رہا ہے فسونِ حسنِ تمام تیرا

ترے سخن کے تمام تیور حسین تر ہیں جمیل تر ہیں
زباں فصاحت مقام تیری بیاں بلاغت نظام تیرا

ظہور تیرا ہے چمن میں تو نور تیرا ہے ہر دمن میں
ہر ایک لب پر تیری ثنا ہے ہر ایک دل ہے مقام تیرا

اسے بھی اپنی عطا عطا کر مقام رحمت سے آشنا کر
حقیر طالب حسین بھی ہے غلام ابنِ غلام تیرا

تبلیغی پروگرام

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

نمبر	تاریخ	مقام
۱-	۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۵ء	اجتماع مرشد آباد
۲-	یکم نومبر ؍	جمعۃ المبارک دار العرفان منارہ
۳-	۹ر نومبر ؍	کھاریاں چھاؤنی یہ قیام ایک رات
۴-	۱۰ر ؍ ؍	سیالکوٹ براستہ بیگوال - فون ۸/۶۸۵۲ تمام رات
۵-	۱۱ر ؍ ؍	روانگی از سیالکوٹ بعد از ظہر- ڈسکہ بعد از نماز مغرب خطاب و محفلِ ذکر رات آمد گوجرانوالہ - فون نمبر ۸۰۸۶۴ قیام دو رات
۶-	۱۳ر نومبر ؍	لاہور - فون نمبر ۸۰-۱۲۱۹ قیام ایک رات
۷-	۱۴ر ؍ ؍ جمعرات	مراجعت منارہ
۸-	۲۴ر نومبر ؍	روانگی برائے اکا زہ چھاؤنی براستہ تاندلیانوالہ - قیام ایک رات
۹-	۲۵ر ؍ ؍	بہاولنگر براستہ حجرہ شاہ مقیم قیام ایک رات
۱۰-	۲۶ر ؍ ؍	حاصل پور - قیام ایک رات
۱۱-	۲۷ر ؍ ؍	بہاولپور فون ۲۹۱۱ ملک رشید صاحب قیام ایک رات
۱۲-	۲۸/۲۹ جمعۃ المبارک ؍	تونسہ محمد شاہ قیام ۲ رات
۱۳-	۳۰ر نومبر ؍	ڈیرہ غازیخان - قیام ایک رات
۱۴-	یکم دسمبر ؍	ملتان فون نمبر ۳۳۲۲۰
۱۵-	۲ر دسمبر سوموار	مراجعت منارہ براستہ اکاڑہ چھاؤنی

رجسٹرڈ آر نمبر ۱۵
ماہ صفر ۱۴۰۶ھ ماہ نومبر ۱۹۸۵ء

تصانیف حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ

دلائل السلوک خاص ایڈیشن ۶۰/۰
دلائل السلوک انگلش ۶۰/۰
حیات برزخیہ ۲۵٫۰
حیات انبیاء ۱۵/۰
حیات النبی مذاہب اربعہ
اہلسنت والجماعت کی نظر میں ۱۰
الدین الخالص ۲۵/۰
ایمان بالقرآن ۲۰/۰
تحذیر المسلمین ۲۵
الجمال و کمال ۵٫۰
سیف اویسیہ ۱۰/۰
عقائد و کمالات
علماء دیوبند ۵/۰
تعارف ۲/۰
اسرار الحرمین ۵٫۰
تفسیر آیات ربعہ ۵٫۰
حضرت امیر معاویہ ۱۰/۰
علم و عرفان ۲٫۵۰
تحقیق حلال و حرام
در جواب متعہ در اسلام ۵٫۰
حرمت ماتم ۵٫۰

ایجاد مذہب شیعہ ۵/۰
شکست اعدائے حسینؓ ۴/۰
داماد علیؓ ۲٫۵۰
بنات رسولؐ ۳/۰
ایمان بالقرآن ۴/۰

تصانیف مولانا محمد اکرم

دیار حبیب میں چند روز ۵/۰
اسرار التنزیل حصہ اول ۱۰/۰
" " دوم ۱۰٫۰
" " سوم ۱۰/۰
" " چہارم ۱۰/۰
چار پارے مکمل مجلد ۵۰٫۰
راہی گرب بلا منزل بہ منزل ۲/۰
ارشاد السالکین ۵/۰

تصانیف حافظ عبدالرزاق

انوار التنزیل ۷/۵۰
دین و دانش ۱۰/۰
کس نے آئے تھے ۵٫۰
تصوف و تعمیر سیرت ۱۰٫۰
اطمینان قلب ۱۵٫۰
خدایا این کرم ۱۰٫۰
بزم آنجم ۲۰/۰

کونوا عباداللہ ۳/۰
لغزشیں ۱۰/۰
مغالطے ۵/۰
ذکر اللہ عربی ۳/۰

دیگر کتب

کیمیائے سعادت ۹۵/۰
الابریز ۹۵٫۰
الفتح الربانی ۵۰٫۰
منہاج العابدین ۵۰٫۰
فتوح الغیب ۲۰/۰
اللہ کی باتیں ۳۶/۰
فلاح دارین ۱۰٫۰
اکمال الشیم ۳۳/۰
امداد السلوک ۲۰٫۰
انسان کی حقیقت ۲۰٫۰
ضیاء القلوب ۱۵/۰
فیوض الحرمین ۱۲٫۵۰
تعلیم الاسلام کامل ۱۵٫۰
نشر الطیب ۱۸/۰
مسلمان بیبیاں ۱۵٫۰
حیوۃ المسلمین ۱۸/۰
طب نبوی ۱۲٫۰
تعلیم الدین ۱۰/۰
احادیث قدسیہ مترجم ۲۰/۰
طب روحانی ۱۵٫۰
کرامات امدادیہ ۷/۵۰
کمالات عزیزی ۱۸/۰
شفاء العلیل ۱۸/۰
قول جمیل قرآنی ۱۲٫۰
علماء دیوبند ۷/۵۰
جنت کی کنجی ۱۸٫۰
بیاض محمدی ۷/۵۰
دوزخ کا کھٹکا ۱۸٫۰
مناجات مجموعہ ۴/۰
عظمت عورتوں کی نماز ۲٫۵۰
نور عظیم ۲٫۵۰
نماز مسنونہ مترجم ۲/۰

ماہنامہ "المرشد"

بیادگار
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان نور اللہ مرقدہ

زیر سرپرستی
حضرت مولانا
محمد اکرم صاحب مدظلہ
اصلاح احوال و باطنی اصلاح

شرح چندہ

فی پرچہ : ۴٫۰
سالانہ چندہ : ۴۵٫۰
مشرق وسطیٰ : ۱۲۰٫۰
یورپ : ۱۴۰٫۰
امریکہ کینیڈا : ۱۶۰٫۰
لیبیا : ۱۵۰/۰

ملنے کا پتہ
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
و ماہنامہ المرشد دار العرفان منارہ
سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ
گنپت روڈ۔ لاہور

تحریر: رضوی رقم۔ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255